پروفیسر کعبی کی "سلام رضا تضمین و تفہیم اور تجزیہ" کا

تنقیدی جائزہ

محقق عصر مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی

ادارہ افکار حق باسنی

پروفیسر کعبی کی "سلام رضا تضمین و تفہیم اور تجزیہ" کا

تنقیدی جائزہ

محققِ عصر مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی

ادارہ افکار حق، بائسی، پورنیہ، بہار

سلسلہ اشاعت ٦٠

کتاب : تنقیدی جائزہ

تصنیف : مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی

سن تصنیف : صفر المظفر ١٤١٦ھ

سن اشاعت : صفر المظفر ١٤١٨ھ

صفحات : ١٠٤

ناشر : مکتبہ معارف رضا، بائسی پورنیہ، بہار

تعداد : ایک ہزار ایک سو

قیمت :

کتابت : ریاض احمد خان

مصنف سے رابطہ کا پتہ

١- ادارہ شرعیہ بہار سلطان گنج پٹنہ ٦

فون :- 0612-657294

٢- جامعہ نوریہ شام پور، رائے گنج، ضلع اتر دیناجپور، بنگال

فون :- 03523-32341

حرفے چند

ابھی کل، تقریباً تین دہائی پہلے، اپنوں کے تغافل و تساہل اور بے گانوں کے استبداد اور منفی پروپیگنڈے کے زیرِ اثر بیرونِ ملک نہیں اپنے ہی مولد و مسکن میں دانشوروں کے لئے امام احمد رضا ایک ناقابلِ اعتنا شخص تھے ——— اور آج، تقریباً تین دہائی بعد اندرونِ ملک ہی نہیں، بیرونِ ملک بھی بین الاقوامی طور پر تحقیق و تدقیق کے متوالوں کے لئے امام احمد رضا کی ذات جاذب و مقناطیس بنی ہوئی ہے۔ پاکستان، افغانستان، بنگلہ دیش، انگلینڈ، ہالینڈ، مصر، عراق، سعودی عرب، جرمنی، افریقہ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں اور دینی و علمی اداروں میں امام احمد رضا کی ہمہ جہت شخصیت پر ریسرچ جاری ہے۔ محققین امام احمد رضا کی شخصیت کے نئے نئے گوشوں اور نئی نئی جہتوں کی یافت میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کا یہ تحقیقی سفر ختم ہی نہیں ہو پا رہا ہے۔ ایک منزل کے بعد دوسری منزل کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اور آغاز کے بعد پھر از سرِ نو آغاز۔

امام کی علمی شخصیت بحرِ ناپیدا کنار ہے۔ جس کی گہرائی کا اندازہ آج تک کوئی لگا ہی نہیں سکا۔ اور لگا بھی کیسے سکتا کہ اس کے لئے بھی کوئی دوسرا احمد رضا ہی چاہیے۔ مگر پھر بھی "فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست" کے تحت لوگ زمانہ سے اس بحرِ بے کراں کی غواصی کر رہے ہیں۔ اور تحقیق و جستجو کی ہر منزل پر پہنچ کر انہیں یہی کہنا پڑ رہا ہے۔

> "امام احمد رضا محدث بریلوی عالمِ اسلام کے عظیم دانائے راز تھے۔ ان کی مومنانہ فراست و بصیرت اپنے زمانہ سے آگے دیکھتی تھی۔ انھوں نے جو کچھ کہا، مستقبل نے اس کی تصدیق کی۔ وہ کون تھے؟ وہ کیا تھے؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم نے آج تک ان کو نہ جانا نہ پہچانا۔ ۲۲ رسال مسلسل مطالعے

> کے بعد یہ راز کھلا کہ وہ علم و دانش کے ایک سمندر تھے۔ ہم ابھی تک اس سمندر کے ساحل تک بھی نہیں پہنچ سکے۔"[1]

ابھی تک امام کی حیات کے جتنے گوشوں پر کام ہو سکا ہے، وہ خاصا ہونے کے باوجود بھی نامکمل ہے۔ کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ اب اس پر مزید تحقیق کی ضرورت نہیں ہے۔ جبکہ ابھی سیکڑوں موضوعات تشنۂ توجہ ہیں۔

حال میں پاکستان کے جناب پروفیسر منیر الحق کعبی نے رضویات پر کام کی ایک نئی طرح ڈالی ہے۔ اور "سلام رضا تضمین و تفہیم، اور تجزیہ" کے نام سے ایک مبسوط تحقیقی و تنقیدی کتاب لکھ کر زجاج پبلیکیشنز گجرات سے شائع کی ہے۔

پاکستانی مطبوعات ہندوستان میں قیمتاً صرف "اجمیری بک ڈپو بمبئی" سے ملتی ہیں۔ وہ بھی ہمیشہ نہیں گاہے بگاہے۔ مولانا رحمت اللہ صدیقی مدیر اعلیٰ "پیغام رضا" وہیں سے کعبی صاحب کی یہ کتاب لیکر آئے۔ ان سے مستعار لے کر محترم ڈاکٹر فاروق احمد صاحب صدیقی نے پڑھی۔ اور ڈاکٹر صاحب موصوف کی وساطت سے مجھے مطالعہ کا موقعہ میسر آیا ——— پروفیسر کعبی نے کتاب کی سطر سطر میں قرآن، حدیث، تفسیر، سیرت، تصوف، تاریخ، عروض، معانی، بیان اور لغت کے حوالے ایسے بھر دیئے ہیں کہ جو بھی پڑھا مرعوب و متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا ———

جہان رضا، لاہور کے مدیر اعلیٰ جناب اقبال احمد فاروقی کا تبصرہ دیکھئے:

> "مرکزی مجلس رضا" کے ایک رکن اور "جہان رضا" کے دانشور رکن جناب پروفیسر منیر الحق صاحب کعبی ایم۔اے، استاذ زمیندار کالج گجرات نے "خوان رحمت" پر ایک زبردست تنقیدی کتاب بہ عنوان "سلام رضا" ——— تضمین و تفہیم اور تجزیہ" زجاج پبلیکیشنز گجرات سے شائع کی ہے جس میں نہ صرف "خوان رحمت" کو نشانۂ تنقید بنایا گیا ہے بلکہ علامہ شمس الحسن شمس بریلوی (کلام حضرت رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ") مفتی محمد خان صاحب قادری (شرح سلام رضا" اور معروف دانشور جناب پروفیسر حفیظ تائب کی خوبصورت

[1] پروفیسر مسعود احمد مظہری۔ محدث بریلوی ص ۵

تحریروں کے دامن کو بھی تیز نگاہِ قلم سے تار تار کر کے رکھ دیا ہے۔"

"فاضل تنقید نگار جناب پروفیسر منیر الحق کعبی صاحب نے زیرِ بحث تنقیدی کتاب لکھتے وقت بڑی محنت اور کاوش کا ثبوت دیا ہے۔ انھوں نے تنقید اور تحقیق کے مختلف انداز اختیار کر کے ان دانشوروں کا تعاقب کیا ہے۔ پھر ساری کتاب میں مجال ہے ایک لفظ بھی عامیانہ، مخالفانہ یا سوئے ادب کی آلائش سے ملوث کیا گیا ہو۔ وہ حضرت ناظم کے تضمینی اشعار پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کئی ایسے علمی گوشوں کی نقاب کشائی کرتے جاتے ہیں کہ جنھیں پڑھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔ وہ تنقید کے ضمن میں بڑے عمدہ علمی مباحث اٹھاتے چلے جاتے ہیں اور ان پر اظہارِ خیال کر کے دامنِ مطالعہ کو تر و تازہ پھولوں سے بھر دیتے ہیں۔ انھوں نے جس تحقیق اور کاوش سے اپنی کتاب کے ماخذ کو پیش کیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس دانشور نقاد کے سامنے اہلِ علم کے ذخیرۂ کتب کے دفتر کھلے ہیں۔ وہ عروض و قوافی کا ترازو لے کر جب اشعار کو تولتے ہیں تو داد دینے کو جی چاہتا ہے۔"

کچھ ایسی ہی کیفیت سے دوچار ہو کر میں نے یہ کتاب استاذ محترم مناظر اہل سنت فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب رضوی دامت برکاتہ صدر شعبۂ تربیت افتا ادارۂ شرعیہ بہار کی بارگاہ میں پیش کی۔ تو مطالعہ کے بعد حضرت والا نے فرمایا:

"کتاب مجموعی طور سے معلوماتی اور مفید ہے مگر پھول کے ساتھ نوکیلے خار بھی ہیں اور شمع کے ساتھ کثیف دھواں بھی۔"

میرے لئے یہ تاثر ان احساسات سے مختلف تھا جو میرے ساتھ ساتھ دوسرے قارئین نے بھی محسوس کئے تھے۔ اس لئے میں نے حضرت مفتی صاحب سے التجا کی کہ وہ اپنے ان تاثرات کو دلائل کے ساتھ قلمبند فرما دیں تاکہ حقائق بے نقاب ہوں اور لوگ تشکیک کے دوراہے سے آگے بڑھ کر منزلِ حقیقت تک پہنچ سکیں ۔۔۔ خدا کا شکر ہے کہ میری التجا رائیگاں نہیں گئی اور قبلہ گاہی نے ہزار مصروفیتوں کے باوجود اسے قبول فرما لیا۔ اگرچہ اس

قبولیت کی کٹھن منزل کو طے کرانے میں مجھے مسلسل کئی دن لگ گئے۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ انتہائی مصروف ترین شخص ہیں ان کی زندگی کی گھڑی گھڑی کام کے لئے مصروف ہے۔ وہ اپنا کوئی بھی لمحہ ضائع ہونے دینا نہیں چاہتے اور نہ کسی کا وقت برباد ہوتے دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ ان کی زندگی ذکر و فکر سے عبارت ہے۔ اس کے بغیر وہ جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ جس وقت بظاہر بے کار سے نظر آتے ہیں، دراصل ذکر کے لئے فکر میں محو رہتے ہیں۔ وہ حافظ شیرازی کے اس شعر کا عملی نمونہ ہیں:

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است

صراحیٔ مئے ناب و سفینۂ غزل است

مفتی صاحب طالب علمی ہی کے زمانہ سے پڑھنے لکھنے کے آدمی رہے ہیں اور اب تو کتاب و قلم ہی کے ہو کر رہ گئے ہیں۔ خود فرماتے ہیں۔

"امام احمد رضا کے اتباع میں یہاں تو عالم یہ ہے کہ

منم و کنج خمولی کہ نگنجد در وے

جز من و چند کتابے و دوات و قلمے"[۱]

وہ ابتک ہزاروں فتاوے، درجنوں مضامین و مقالے اور بیس کے قریب کتابیں تصنیف کر چکے ہیں۔ مگر ابھی تک ان کو اپنے کسی قول سے رجوع کی نوبت نہیں آئی ہے۔ کیونکہ انھوں نے ہمیشہ تحقیق[۲] کے ساتھ "حقیقت[۲]" کو واضح کیا ہے۔ اس لئے ان کا ہر قول "قول فیصل[۲]" ثابت ہوا ہے اور ہر بات "حرف آخر[۲]"۔

زیر نظر کتاب "تنقیدی جائزہ" میرے علم کے مطابق کعبی صاحب کی کتاب پر برصغیر ہند و پاک میں پہلا تنقیدی مقالہ ہے جسے حضرت مفتی صاحب نے دو سال پہلے میرے ہی بے حد اصرار پر دو ہفتے کی قلیل مدت میں املا کرا دیا تھا۔ وہ بھی ادارہ شرعیہ

---

[۱] "حرف آخر" [۲] یہ مفتی صاحب کی تصنیفات کے ناموں سے تلمیحات ہیں۔

کے تعلق سے معمول کے فرائض انجام دینے کے بعد نجی اوقات میں ــــ جس وقت یہ مقالہ قلمبند
ہوا تھا حضرت شمسؔ بریلوی جنکا اس مقالہ کے موضوع سے خاص تعلق ہے، بقید حیات تھے
ــــ آج جبکہ مولانا جابر حسین صاحب مصباحی ڈائرکٹر ادارہ "افکار حق" کے مخلصانہ اصرار پر
کتاب کا مسودہ طباعت کے لئے ان کے سپرد کر رہا ہوں حضرت شمسؔ ہمارے درمیان نہیں رہے
اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے۔

یہ جائزہ تنقیدی ہونے کے باوصف تحقیقی ہے۔ کبھی صاحب نے زیر بحث موضوع میں جن ارباب قلم اور دانشوروں کی نگارشات پر تنقید کی ہے، مفتی صاحب نے منصفانہ نظر سے اس کا جائزہ لے کر کہیں ان حضرات کا دفاع کیا ہے۔ کہیں کبھی صاحب کی تائید کی ہے اور کہیں دونوں سے جداگانہ تحقیق کی اپنی راہ چلے ہیں۔ دفاع و تائید کے اس تنقیدی عمل اور تحقیق میں ان کی نظر افراد پر نہیں ان کے مواد اور میٹریل پر رہی ہے۔ مفتی صاحب نے حقائق کو بنیاد بنا کر نہایت باریک بینی، دقت نظر اور فکر و ادراک کی پختہ کاری سے اس کتاب کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور جائزہ کے بعد جہاں اپنی تحقیق انیق کے جواہر بکھیرے ہیں محسوس ہوتا ہے جیسے قلم کو جنبش دے کر علوم و معارف کا سیل رواں جاری کر دیا ہے جس میں معنویت و قطعیت موجزن ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ مفتی صاحب کی یہ کتاب بھی ان کی دوسری کتابوں کی طرح ارباب نقد و نظر کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگی اور رضویات پر کام کرنے والوں کے لئے رہنما اصول بھی۔

امجد رضا امجد

(ریسرچ اسکالر)

نوری مسجد، درگاہ روڈ منڈئی، پٹنہ ۶، بہار

میرے ایک عزیز ہیں، امجد رضا امجدؔ، جو وی۔ کے۔ سنگھ یونیورسٹی بہار۔ سے ایم۔اے کرنے کے بعد محترم ڈاکٹر طلحہ رضوی صاحب کی نگرانی میں میرے ہی تجویز کردہ عنوان "امام احمد رضا کی فکری تنقیدیں" پر ریسرچ کر رہے ہیں۔ امجدؔ خیر سے مولوی بھی ہیں۔ میں خیر سے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ان دنوں ان کا رجحان ادب کی طرف کچھ زیادہ ہی ہو گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس میں بھی ان کا انتخاب اسلامی ادب ہے، خاص طور سے رضوی ادب ــــ ورنہ وہ جامعہ امجدیہ ناگپور سے درس نظامی کے فارغ التحصیل ہیں۔ ایک سال پہلے بڑے ذوق و شوق سے ادارۂ شرعیہ پٹنہ بہار کے شعبۂ تربیت افتاء میں داخلہ لیا تھا۔ اور بڑی پابندی سے مشق بھی کرنے لگے تھے۔

امجدؔ ہی نے دو ہفتہ پہلے پاکستان کے محترم پروفیسر منیر الحق کعبیؔ صاحب کا تذکرہ کیا، اور ان کی تحقیقی کتاب ــــ "سلام رضا، تضمین و تفہیم اور تجزیہ" ــــ لا کر دی۔

میں نہ تو تجزیہ نگار کعبیؔ صاحب کی طرح محقق ہوں، اور نہ ہی تضمین کار بشیر ناظم اور اس پر پیشوائی تحریر فرمانے والے حفیظؔ تائب کی طرح دانشمند۔ بس ایک مولوی ہوں جس نے کچھ دنوں مدرسہ کی خاک چھانی ہے، اور کچھ مجھے ایک مولوی ؒ کے قدموں میں گذارے ہیں۔ جبکہ کعبیؔ صاحب کا ارشاد ہے:

لہ امام احمد رضا کے خلف اصغر حضور مفتی اعظم محمد مصطفےٰ رضا متخلص بہ نوری، جن کی سخن سنجی و سخن فہمی پر شاہد عدل ان کا مجموعہ کلام «سامانِ بخشش» اور تقریری و تحریری فتاوے ہیں۔

شعر مرا بمدرسہ کہ برد . . . . عام طور سے علماء کو شعر فہمی سے معذور سمجھا گیا ہے اور یہ بات "شرح سلام رضا" سے ایک بار پھر ثابت ہو گئی۔ (۱)

مگر پھر بھی امجد مصر ہیں کہ میں اس کتاب کے تعلق سے اپنی رائے کا اظہار کروں۔ یعنی جناب کعبی کو پھر ایک بار یہ لکھنے کی زحمت دوں ___ کہ "عام طور سے علماء کو شعر فہمی سے معذور سمجھا گیا ہے اور یہ بات . . . . سے ایک بار پھر ثابت ہو گئی"۔

میرے لئے کعبی صاحب کو زحمت سے بچا کر امجد کا دل چھوٹا کر دینا آسان نہیں۔ اسلئے کچھ مختصراً عرض کئے دیتا ہوں۔

"سلام رضا تضمین و تفہیم اور تجزیہ" اصالۃً جناب بشیر ناظم کی تضمین بر سلام رضا "خوان رحمت" اور بالتبع شمس بریلوی کی مرتبہ "حدائق بخشش کامل"، محترم مفتی محمد خان صاحب کی "شرح سلام رضا" اور ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کی "انتخاب حدائق بخشش" پر تنقیدوں کا مجموعہ ہے۔ جسکو جناب پروفیسر منیر الحق کعبی صاحب نے ___ "دو سال میں قدرے توقف سے مسلسل مشقت اٹھا کر" ___ نہاں خانۂ ذہن سے پردۂ قرطاس پر منتقل کیا ہے۔

جناب کعبی نے اس میں کہیں کہیں بڑی خوبصورت عبارت تحریر فرمائی ہے۔

سلام رضا ایک عظیم فن پارہ ہے جسمیں جلال و جمال اپنے حسین ترین امتزاج کے ساتھ ارفع ترین صورت میں موجود ہے۔ پورے کا پورا قصیدہ ایک فنی وحدت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ سرتاسر انتخاب، کسی ایک شعر کو کسی شعر کے ایک لفظ کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا، الفاظ و معانی میں ارتباط کی ایک خوبصورت مثال، تشبیہات و استعارات سے جو امیجری تخلیق کی گئی ہے طبیعیات سے، مابعد الطبیعیات تک دونوں کو محیط ہے۔ مجرد تصورات کی تجسیمی صورت گری بھی ہے اور جو پیکر تراشے گئے ہیں متحرک اور جاندار بھی ہیں ذہن مسلسل ایک طلسماتی کیفیت میں اسیر رہتا ہے اور اس پر تقدس کی ایک فضا تا دم آخر مسلط رہتی ہے اور یوں مسحور و مسرور، شاعر کے ساتھ ساتھ محو سفر رہتا ہے (۲)

"سلام رضا میں خامۂ رضا ابلقِ الفاظ وتراکیب پر سوار ندرت فکر اور جدت مضامین کے اقالیم اپنی قلم رو میں شامل کرتا چلا جاتا ہے۔ تشبیہات و استعارات کے لشکر اس کے آگے دست بستہ استادہ رہتے ہیں اور ایک پُرشکوہ اسلوب ظہور میں آتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مغلق یا مبتذل الفاظ سے فضا کو بوجھل بنا دیا گیا ہے۔ ایک ایک مصرعے سے فصاحت و بلاغت اور سلاست و روانی ٹپک رہی ہے۔ سادگی، خلوص اور جوشِ بیاں نکھر کر سامنے آرہا ہے اور ان سب کے پیچھے شاعر کی علمی وجاہت، یقین کی پختگی، جذبۂ محبت کی شدت اور ایمانی صداقت کام کر رہی ہے۔ (۳)

عصر حاضر میں وہ علوم وفنون کے مقام سدرۃ المنتہی پر فائز المرام ہیں۔ کوئی فرد، ان کے دور میں، نہ آج، ان کے اس کنہ کمال تک رسائی پاسکا۔ اس پر وہ تمام تنقیدی سرمایہ شاہد ہے، جسمیں ان کی تصنیفات پر محاکمہ کیا گیا ہے ان کی تحریرات کے سامنے نقد نگاروں کی بیچارگی عیاں ہے۔ (٤)

مگر ان خوبصورت عبارتوں میں بھی — "ان کی تحریرات کے سامنے" — جیسے بعض فقرے گوش گراں ہیں۔ اور کہیں کہیں تو ان کا قلم، خاصہ ژولیدہ بیانی کا شکار ہو گیا ہے، اور وہ ایک ہی پیراگراف کے جملوں میں ارتباط باقی نہیں رکھ سکے ہیں:

زندگی دو سال قبل، متنوع اسالیب ومسالک پر گامزن تھی کہ محبتوں کا وہ شیرازہ، جو مختلف خیابانوں میں منتشر تھا، ایک حسین و جمیل نام پر آکر مجتمع ہونے لگا۔ یہ تو نہیں کہ میں اس نام سے نا شناسا سا تھا۔ لڑکپن ہی سے اس نام کی مٹھاس کانوں میں رس گھول رہی تھی۔ اس کی تحریریں خاص کر شاعری بصیرت و بصارت کو تراوت بخش رہی تھی۔ والد گرامی کی وساطت سے اس نام اور اس کے منتسبین سے ایک خاص انسیت تحت الشعور کی سطح زیریں میں جاگزیں ہو گئی اور لاشعور میں بسرام کرنے لگی۔ گاہ گاہ منزل شعور میں آکر

ایک تموج پیدا کر دیتی اور ہوائے شوق اس سمت سے چلتی۔ سالوں سے یہ سلسلہ جاری تھا اور اس نام سے عقیدت ایک خاص نوع اختیار کر گئی وہ وقت بھی آیا کہ علم و ادب میں زیادت و اضافت (؟) نے بجبر تحریر سے شغف پیدا کر دیا۔ (۵)

حالانکہ یہی شکایت ان کو جناب حفیظ تائب سے ہے کہ ان کے جملے بسا اوقات ارتباط کھو دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

جناب حفیظ تائب کی تخلیقی عظمت سے انکار نہیں لیکن بعض اوقات ان کی تحریر میں ایک دم اک آدھ جملہ ایسا بھی آجاتا ہے جو اپنے سیاق و سباق سے غیر متعلق ہو جاتا ہے۔ صاحبزادہ سید نصیر الدین گولڑوی کے مجموعہ "دیں ہمہ اوست" کی "پیشوائی" سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔

"شواہد النبوۃ میں مولانا جامی نے کعب بن لوی بن غالب کے کچھ اشعار درج کئے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ شخص حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے پانچ سو ساٹھ برس پہلے وفات پا چکا تھا۔ ام المومنین حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اصل نام ہند تھا اور ان کا شجرۂ نسب اسی ناموس مصطفےٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سے اس طرح ملتا ہے۔ ہند بنت ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب .... اس شخص نے ایک شعر میں سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی یوں خبر دی ہے ...."

مذکورہ بالا پیراگراف میں ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کعب بن لوی بن غالب تک کا اقتباس قطعاً غیر متعلق ہے۔ اس لئے نہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر ہے بلکہ اس لئے کہ اس کی موجودیت سے عبارت میں زیادہ صفائی اور روانی آجاتی ہے۔ اس مقام پر انکا ذکر بے محل واقع ہوا ہے۔ (۶)

یہ گفتگو زبان و بیان اور الفاظ و عبارات کے رُخ سے تھی۔ اور امجد مجھ سے اس کی معنوی قدر و قیمت پر خامہ فرسائی کے طالب ہیں۔ جس کے لئے کتاب کے پس منظر میں جاکر اس کی وجہ تالیف، اور تالیف سے مصنف کے مقصود کو جاننا ضروری ہے۔

جناب کیفی کے بقول کچھ لوگ دیدہ و دانستہ، کلام رضا میں ترمیم و تحریف کی سازش کرکے ان کے کمال علمی پر خاک ڈال رہے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

[بعض نام نہاد محقق، شاعر، ادیب، نقاد، مصنف، شارح، مترجم اور ماہر لسانیات، کلام رضا کو ہدف تنقید بنا کر، اس میں ترمیم و تحریف کرکے اسکے مفاہیم و مضامین کو اس حد تک بدل دینا چاہتے ہیں کہ " حدائق بخشش" حدائق بخشش نہ رہے۔ (۷)]

تقریظ نگار محترم جناب سید نور محمد قادری لکھتے ہیں :

[اس وقت چند ایسے حضرات ہمارے درمیان موجود ہیں جو یوں تو اپنے آپ کو اعلیٰ حضرت کا عقیدت مند اور غلام کہتے ہیں لیکن ان کے علمی و ادبی مقام کے وقار کو کم کرنے کے لئے کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ (۸)]

ایسے چند حضرات میں سر فہرست، جناب شمس بریلوی اور بشیر ناظم صاحب ہیں۔ انکے شریک حال پروفیسر حفیظ تائب، حضرت ڈاکٹر مسعود احمد اور محترم مفتی محمد خان قادری بھی ہیں۔

سید صاحب ہی لکھتے ہیں :

[ان میں سے دو اصحاب کی نشاندہی جناب پروفیسر منیر الحق کیفی صاحب نے زیر نظر مفصل مقالے میں کی ہے اور وہ ہیں جناب شمس بریلوی صاحب اور بشیر حسین ناظم صاحب۔ اور لطف یہ کہ محترم و مکرم جناب پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب اور مشہور نعت گو جناب حفیظ تائب صاحب دانستہ یا نادانستہ ناظم صاحب کی پُشت پناہی کر رہے ہیں۔ (۹)]

خود جناب کیفی صاحب فرماتے ہیں :

اس جستجو میں تھے کہ ایک دوست نے مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی کا مطبوعہ نسخہ جس پر لکھا ہوا تھا (کلام رضا کا تحقیقی اور ادبی جائزہ مع حدائق بخشش کامل) لا کے دیا۔ جائزہ نگار حضرت شمس بریلوی تھے۔ مطالعہ کیا تو نہایت ہولناک انکشافات ہوئے۔ کلام میں جا بجا تحریف سے کام لیا گیا تھا۔ (۱۰)

علامہ شمس تو شمس ادب و فن ہیں .... مگر اعلیٰ حضرت کے کلام میں تحریفات کا ڈول بھی علامہ صاحب نے ڈالا ہے ...... اور ان کی دیکھا دیکھی، آج یہ حال ہے کہ کلام رضا کو "شاملات دہ" سمجھ لیا گیا ہے۔ کوئی شارح سلام رضا بن کر "سلام رضا" کے حسن و جمال اور شکوہ و جلال کو خاک میں ملانے کی سعی کر رہا ہے۔ کوئی تضمین کے پردے میں اور کوئی ترتیب کے نقاب میں رکھ کر، اعلیٰ حضرت کے کلام کی وضاحت (؟) و بلاغت کا سارا حسن تباہ کر رہا ہے یہاں تک کہ مفاہیم میں بھی۔ (۱۱)

یہ ڈاکٹر صاحب کی ترمیم ہے .... نہ جانے ڈاکٹر صاحب نے کس کے مشورہ پر اس کو ترمیم کا نشانہ بنایا۔ (۱۲)

جناب کبھی صاحب کے فرمانے کے مطابق اس تالیف سے ان کا مقصد، اسی مذکورہ بالا سازش کا پردہ چاک کر کے "کلام رضا" کے رخ تاباں پر ڈالے ہوئے گرد و غبار کو صاف کرنا ہے وہ لکھتے ہیں۔

یہ خالصتاً تنقید ہے نہ تحقیق۔ یہ ایک رد عمل ہے لیکن محض رد عمل بھی نہیں، آپ اسے منفی تنقید بھی کہہ سکتے ہیں اور تعصباتی تنقید بھی۔ یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ اسے کس انداز نظر سے دیکھتے ہیں۔ ہم نے تو اس سیلاب کے سامنے ایک دیوار کھڑی کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو کسی اخلاقی، ادبی، تحقیقی اور تنقیدی ضابطوں کا پابند نہیں جو محض اپنی انا کی شورش میں "کلام رضا" کو بہالے جانا چاہتا ہے۔ (۱۳)

اس لئے آئیے! ہم دیکھیں کہ کعبی صاحب کا یہ ادعا، کس قدر راستی پر مبنی ہے اور وہ اپنے مقصود میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں۔

جناب بشیر حسین ناظم کی تضمین "خوان رحمت" تک میری رسائی نہیں۔ اس لئے اس پر محترم حفیظ تائب کی "پیشوائی" سے متعلق کچھ زیادہ عرض نہیں کر سکتا۔ کعبی صاحب نے اپنی کتاب کے ص ۵۴، ۵۵ پر اسکا یہ اقتباس نقل کیا ہے۔

> ان کی تحقیق و جستجو کی بدولت "سلام رضا" کے متن میں بھی اصلاح ہو گئی ہے اور یوں بعض ناقدین فن کے وہ اعتراض دفع ہو گئے ہیں جو اعلیٰ حضرت کے فن پر کرتے تھے۔ کچھ مروجہ مصرعوں کے ساتھ صحیح مصرعے درج کئے جاتے ہیں۔
>
> | مروجہ مصرعے | صحیح مصرعے |
> |---|---|
> | گل باغ رسالت پہ لاکھوں سلام | ورد باغ رسالت پہ لاکھوں سلام |
> | نمک آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام | ملح آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام |
> | برکات رضاعت پہ لاکھوں سلام | اتقائے رضاعت پہ لاکھوں سلام |

اس اقتباس ہی سے کعبی صاحب کی یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ

> علامہ بشیر حسن ناظم نے "سلام رضا" پر تضمین شروع کی تو "کلام رضا" کو از سر نو لکھنے کا فیصلہ کر لیا اور جناب حفیظ تائب کی آشیرباد سے بآسانی اس مرحلہ سے گذر گئے۔ (۱٤)

اگر ناظم و تائب کے نزدیک، ان مصرعوں میں فنی غلطیاں تھیں جن پہ ناقدین فن اعتراض کر رہے تھے، تو ناظم و تائب کی اصلاح کے بعد، ناقدین فن کے اعتراضات دفع نہیں ہو گئے۔ کیونکہ اب وہ امام احمد رضا کا کلام ہی نہیں رہا۔ جبکہ ان کے اعتراضات "کلام رضا" پر تھے ـــــ اور جہاں تک ناقدین کے اعتراضات اور ناظم و تائب کی سمجھ کے مطابق فنی غلطیوں کی بات ہے تو خدا بھلا کرے پروفیسر منیر الحق کعبی کا، کہ انھوں نے ناظم و تائب اور ان کے ناقدین کو فن کا بہت ہی صاف آئینہ دکھا دیا ہے۔

رہی نالم کی "خوان رحمت" کی ادبی قدر و قیمت، تو اس سے "سلام رضا" پر براہ راست کوئی اثر نہیں پڑ رہا ہے۔ اس لئے میں اس سے بحث کر کے اپنی بات کو طول دینا نہیں چاہتا۔

❊❊❊

حضرت ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے ناظم کی "خوانِ رحمت" پر تقریظ لکھی ہے۔ حدائقِ بخشش کا ایک انتخاب ترتیب دیا ہے، اور محترم مفتی محمد خاں قادری کی "شرح سلامِ رضا" پر تاثرات پیش کیے ہیں۔

"خوانِ رحمت" پر تقریظ کی بابت جناب سید نور محمد صاحب نے ڈاکٹر موصوف ہی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ناظم صاحب نے اپنی کرشمہ سازی سے اس میں ترمیم و تنسیخ کردی ہے۔ (۱۵) خود کیفی صاحب نے بھی اعتراف کیا ہے کہ ۔۔۔ "بشیر حسین ناظم نے حک و اضافہ سے کام لیا ہے" (۱۶)

جس تقریظ میں حذف و زیادت ہوئی ہو، اسے بنیاد بنا کر تقریظ نگار کو سازش میں شریک قرار دینا اور موردِ لعن و طعن گرداننا قرینِ انصاف نہیں۔

انتخاب کے تعلق سے کیفی صاحب نے، ذیل میں مندرج ترمیمات کی نشاندہی کی ہے۔

۱۔ "مہرِ چرخِ نبوت"	کے عوض	"مُہرِ چرخِ نبوت"
۲۔ "لختِ لختِ دل ہر جگر چاک سے"	کے عوض	"لخت لخت دل ہر جگر چاک سے"
۳۔ "جس کی تسکین"	کے عوض	"جن کی تسکین"
۴۔ "حجرِ اسودِ کعبۂ جان و دل"	کے عوض	"حجر اسود، کعبۂ جان و دل"
۵۔ "شورِ تکبیر سے تھرتھراتی زمین"	کے عوض	"شورِ تکبیر سے تھرتھرائی زمین" (۱۷)

ناظم کی نظر میں حفیظ تائب "خالی از معائب" ہیں تو ہوں۔ میں مسعود صاحب کو خالی از معائب نہیں سمجھتا ۔۔۔ مگر کیا ممکن نہیں کہ یہ مسعود صاحب کے بجائے کاتب صاحب کے قلم کی رہینِ منت ہو۔ جیسا کہ خود کیفی صاحب کی اس کتاب میں بھی باوجودیکہ انھوں نے کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی کرائی ہے اور صحت کا ہر ممکن خیال رکھا ہے، پھر بھی کہیں کہیں ایسا ہو گیا ہے۔ جیسے

ص ۱۴ کی ۲۲ ویں سطر میں ۔۔۔ "روشنی ڈالی گئی ہے" کی جگہ "روشنی ڈالی گئی ہے"۔

ص ۱۵ کی تیسری سطر میں ۔۔۔ "باب چہارم میں سلام رضا" کی جگہ "چہارم سلام رضا"۔

اسی کی ۱۷ویں سطر میں "مجلس تحقیق و تنقید کا نام" کی جگہ "تحقیق و تنقید کا نام"
ص ۴۴ کی ۱۰ویں سطر میں "باقاعدہ رواج کی صورت" کی جگہ "باقاعدہ رواج کی صورت"
ص ۴۶ کی تیسری سطر میں "ویسے صرف "بانگ درا میں" کی جگہ "ویسے صرف بانگ درا میں"
ص ۵۰ کی ۱۸ویں سطر میں "غنیخے" کی جگہ "غنچے"

اس لئے اسے ڈاکٹر صاحب موصوف کی طرف سے ترمیم و تحریف قرار دے کر ان کو دار پر چڑھا دینا ظلم کا مرادف ہوگا۔

رہے "شرح سلام رضا" پر ان کے "تاثرات" تو واقعی ڈاکٹر صاحب نے اس میں اپنی عالی ظرفی کی بنیاد پر "مبالغہ" بلکہ فن کی زبان میں "اغراق" سے کام لیا ہے۔

جہاں تک شمس صاحب کی بات ہے تو کیفی صاحب کے بقول ان کی ترمیمات و تنسیخات کی فہرست یہ بنتی ہے:

(۱) "اصل ہر بود و بہبودِ تخم وجود" کی جگہ "اصل ہر بود و بہبود، تخم وجود" کر دیا گیا ہے۔ (۱۸)

(۲) پرتو اسم ذات احد پر درود — نسخۂ جامعیت پر لاکھوں سلام — اس شعر کے مصرعہ ثانی کو حذف کر دیا گیا ہے — اور

(۳) مطلع ہر سعادت پہ اسعد درود — مقطع ہر سیادت پہ لاکھوں سلام — اس کے مصرعہ اولیٰ کو اڑا کر شعر کی صورت یوں کر دی گئی ہے۔

پرتو اسم ذات احد پر درود — مقطع ہر سیادت پہ لاکھوں سلام (۱۹)

(۴) اس کی باتوں کی لذت پہ لاکھوں سلام — اس کے خطبے کی ہیبت پہ لاکھوں سلام

اس شعر کو سلام سے خارج کر دیا گیا ہے۔ (۲۰)

(۵) جس میں نہریں ہیں شیر و سحر کی رواں — اس گلے کی نضارت پہ لاکھوں سلام

اس شعر کے پہلے مصرعہ میں "سحر" کو "شکر" سے بدل دیا گیا ہے۔ (۲۱)

(۶) "جس کے ہر خط میں ہے موج نور کرم" اس مصرعہ کو "جس کے ہر خط میں موج کرم نور کی" میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ (۲۲)

(۷) "حدائق بخشش" میں تو نہیں مگر "تضمین" میں مصرع "آنکھوں والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام" کو "آنکھ والے کی ہمت پہ لاکھوں سلام" سے بدل دیا گیا ہے (۲۳)

(۸) "حسنِ مجتبیٰ، سید الاسخیا" کو "وہ حسن مجتبیٰ، سید الاسخیا" بنا دیا گیا ہے۔ (۲۴)

(۹) "ان سرادق کی عصمت پہ لاکھوں سلام" کو "اس سرادق کی عصمت پہ لاکھوں سلام" میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ (۲۵)

(۱۰) "قطبِ ابدال وارشاد ورشد الرشاد" اس مصرعہ کو بدل کر "قطب و ابدال و ارشاد، رشد الرشاد" کر دیا گیا ہے۔ (۲۶)

(۱۱) "ایک میرا ہی رحمت میں دعویٰ نہیں" کو "ایک میرا ہی رحمت پہ دعویٰ نہیں" بنا دیا گیا ہے۔ (۲۷)

(۱۲) "یا الٰہی نامۂ اعمال جب کھلنے لگیں" اس مصرعہ کے لفظ "نامہ" کو "دامن" سے بدل دیا گیا ہے۔ (۲۸)

(۱۳) "رب سلم کہنے والے غمزدا کا ساتھ ہو" اس مصرعہ میں لفظ "غمزدا" کو "غمزدہ" کر دیا گیا ہے۔ (۲۹)

(۱۴) دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا" اس میں "قطرہ" کو "دریا" بنا دیا گیا ہے۔ (۳۰)

(۱۵) "فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں" اس مصرع کو "فرش والے تیری رحمت کا علو کیا جانیں" سے بدل دیا گیا ہے۔ (۳۱)

(۱۶) "خوار و بیمار و خطاکار و گنہ گار ہوں میں" کو "خوار و بیمار، خطاوار، گنہ گار ہوں میں" بنا دیا گیا ہے۔ (۳۲)

(۱۷) "تیرے صدقے مجھے اک بوند بہت ہے تیری" اس مصرعہ میں "صدقے" کو "صدقہ" کر دیا گیا ہے۔ (۳۳)

(۱۸) حرم و طیبہ و بغداد جدھر کیجے نگاہ" میں لفظ "کیجے" کو "کیجئے" سے بدل دیا گیا ہے۔ (۳۴)

(١٩) "حدائق بخشش" کی پرانی ترتیب کو "غیر ادبی" قرار دے کر اسے نئی ترتیب کا جامہ پہنا دیا گیا ہے"۔ (٣٥)

جناب شمس نے "حدائق بخشش" کو مرتب کیا تو ان کے سامنے جو مطبوعہ نسخہ تھا، وہ ان کے بقول اغلاط سے پُر تھا۔ دوسرے کسی صحیح نسخہ تک ان کی رسائی بھی نہیں تھی۔ لکھتے ہیں۔

[جب میں نے اس تحقیقی جائزہ کو شروع کیا تو "حدائق بخشش" کا جو مطبوعہ نسخہ ملا (کہ بازار میں یہی ایک مطبوعہ نسخہ ہے) وہ بے شمار اغلاط سے پُر ہے، میرے پاس یا میرے احباب میں سے کسی کے پاس حضرت رضا کے کلام کا کوئی قلمی نسخہ موجود نہیں ہے اور نہ بریلی سے ..... کسی ایسے نسخہ کے ملنے کا امکان تھا۔ (٣٦)]

شمس صاحب نے خود ہی غور و فکر کر کے، اسے حتی الامکان اغلاط سے پاک صاف کیا۔ لکھتے ہیں:

[اس لئے مجبوراً اس راہ میں بھی اپنی فکر کا سہارا لیا اور الحمد للہ کہ سرور ذیشان صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ لطف و کرم کے طفیل حضرت رضا قدس سرہ کے فیض باطنی نے اس راہ میں میری رہنمائی کی اور مطبوعہ کلام کو پاک صاف کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہو گیا۔ (٣٧)]

شمس صاحب نے اپنی اس مرتب کردہ "حدائق بخشش" کو خود شائع نہیں کیا، اور نہ ہی اس کی پروف ریڈنگ کی۔ "مدینہ پبلشنگ کمپنی" نے شائع کیا۔ پتہ نہیں پروف ریڈنگ کا فریضہ کن لوگوں نے اور کیسے انجام دیا؟ یا پھر سرے سے پروف ریڈنگ ہی نہیں کی گئی؟ اگر یہ کام شمس صاحب نے خود کیا ہوتا، تو دوسرے بہت سے اغلاط کی بات تو جانے دیجئے، جو اشعار انھوں نے "جائزہ" میں کوڈ کیے ہیں، ان سے "حدائق بخشش" میں مندرج، یا خود "جائزہ" ہی میں دوسرے مقام پر کوڈ کیے ہوئے اشعار، مختلف نہیں ہو جاتے۔ چند مثالیں ملاحظہ کیجئے:

پران کا بڑھنا تو نام کو تھا حقیقۃ فعل تھا ادھر کا

(۳۸) تنزلوں میں ترقی افزا دنی تدنی کا سلسلہ تھا

پران کا بڑھنا تو نام کو تھا حقیقۃ فعل تھا ادھر کا

(۳۹) تنزلوں میں ترقی افزا دنی تدنی کے سلسلے تھے

پران کا بڑھنا تو نام کو تھا حقیقۃ فعل تھا ادھر کا

(۴۰) تنزلوں میں ترقی افزا دنی تدلّٰی کے سلسلے تھے

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفےٰ کہ یوں

(۴۱) کیف کے پر جلے جہاں کوئی بتائے کیا کہ یوں

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفےٰ کہ یوں

(۴۲) کیف کے پر جہاں جلے کوئی بتائے کیا کہ یوں

سراغ این و متیٰ کہاں تھا نشان کیف و الی کہاں تھا

(۴۳) نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگ منزل نہ مرحلے تھے

سراغ این و متیٰ کہاں تھا نشانِ کیف والی کہاں تھا

(۴۴) نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگ منزل نہ مرحلے تھے

پارہ ہائے صحف غنچہ ہائے قدس

(۴۵) اہل بیت نبوت پہ لاکھوں سلام

پارہ ہائے صحف غنچہائے قدس

(۴۶) اہل بیت نبوت پہ لاکھوں سلام

جس کے ہر خط میں ہے موجِ نور کرم

(۴۷) اس کف بحر ہمت پہ لاکھوں سلام

جس کے ہر خط میں موج کرم نور کی

(۴۸) اس کف بحر ہمت پہ لاکھوں سلام

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں

خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا (۴۹)

فرش والے تیری رحمت کا علو کیا جانیں

خسروا عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا (۵۰)

غنچے مااوحیٰ کے یوں چٹکے دنیٰ کے باغ میں

بلبل سدرہ تک ان کی بو سے بھی محروم نہیں (۵۱)

غنچے مااوحیٰ کے یوں چٹکے دنیٰ کے باغ میں

بلبل سدرہ تک ان کی بو سے بھی محرم نہیں (۵۲)

صف ماتم اٹھے خالی ہو زنداں ٹوٹیں زنجیریں

گنہ گارو چلو مولیٰ نے در کھولا ہے زنداں کا (۵۳)

صف ماتم اٹھے خالی ہو زنداں ٹوٹیں زنجیریں

گنہ گارو چلو مولیٰ نے در کھولا ہے جنت کا (۵۴)

ان چند مثالوں میں ہی دو مصرعے ایسے آ گئے ہیں، جو "حدائق بخشش" میں ترمیم شدہ ہیں مگر جناب شمسؔ نے ان کو "جائزہ" میں صحیح لکھا ہے۔

(الف) جس کے ہر خط میں ہے موج نور کرم (۵۵)

(ب) فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں (۵۶)

اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ جناب شمسؔ نے تحریف کی بھی ہے یا نہیں۔ اور تحریف کی ہے تو کیا تحریف کی ہے؟ کاش جناب شمسؔ یہ فرمانے کے بجائے کہ

> "یہاں گنجائش نہیں ہے کہ میں ان اغلاط طباعت کی نشاندہی کروں جو مطبوعہ نسخوں میں موجود ہیں۔ (۵۷)

گنجائش پیدا کر کے نشاندہی کر دیتے، تو یہ سمجھنے میں بہت حد تک مدد ملتی کہ واقعی انہوں نے غلطیہائے طباعت کی تصحیح کی ہے یا تحریف سے کام لیا ہے۔ یا کہاں کہاں تصحیح کی ہے اور کس کس

مقام پر تحریف فرمائی ہے؟

رہی سلام کے اشعار کو حذف کر دینے کی بات! تو شمس ؔ جائزہ" میں خود ہی تکرار فرماتے ہیں کہ اسمیں ایک سو ستر اشعار ہیں۔

[خامۂ رضا اور طبع رضا قدس سرہ نے ۷، اسلام پیش کئے ہیں۔ (۵۸) یوں تو ان تمام ۱۷۰ اشعار کا مجموعہ تحیت و سلام کا ایک حسین گلدستہ ہے (۵۹) یہ مکمل سلام ایک سو ستر اشعار پر (۶۰)]

اب اگر "حدائق بخشش" میں کچھ اشعار درج ہونے سے رہ گئے تو یقیناً یہ کاتب ــــ یا ــ خود شمس ؔ کے قلم کا سہو ہے ــــ البتہ جناب کیفی کے بقول نسخۂ حسنی میں ۱۷۱ اشعار ہیں تو ممکن ہے کہ جو مطبوعہ نسخہ شمس ؔ کے سامنے تھا۔ اس میں ۱۷۱ کے بجائے ۱۷۰ ہی اشعار رہے ہوں، یا شمس ؔ ہی سے شمار میں غلطی ہو گئی ہو۔

اس طرح کی صورت حال میں جناب کیفی کے لئے بحیثیت نقاد، ترمیمات و تنسیخات کی نشاندہی تو ضروری تھی مگر مرتب کو "منصوبہ بند سازش کے تحت ترمیم و تنسیخ" کا مرتکب قرار دے کر سولی پہ لٹکا دینا مناسب نہ تھا۔ یہاں کیفی اپنے منصب تنقید سے فروتر ہو گئے ہیں۔

ہاں! جناب شمس ؔ نے "حدائق بخشش" کی پرانی ترتیب کو غیر ادبی قرار دے کر اس میں دانستہ تبدیلی ضرور کی ہے۔ (۶۱) جس پر گفتگو کے لئے ایک مستقل مقالہ کی ضرورت ہے۔ کبھی فرصت کے لمحات میسر آئے۔ اور خدا نے توفیق دی تو انشاء اللہ اسے بھی سپرد قلم کروں گا۔

❋❋❋❋❋

محترم مفتی محمد خان قادری کے تعلق سے کیفی صاحب کا خیال ہے کہ :

وہ افکار و خیالات کو یکجا کر کے مرتب کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ (۶۲)

میں مانتا ہوں کہ اکثر و بیشتر اشعار کی شرح میں قادری صاحب سے ایسا ہی ہو گیا ہے۔ آیات و احادیث اور علماء کے اقوال تو انھوں نے جمع کر دیئے ہیں مگر مندرج شعر سے ان کا ربط واضح نہیں کر پائے۔ وجہ یہ ہے کہ اس جمع و ترتیب میں وہ ترتیب طبعی کا لحاظ نہیں رکھ سکے ہیں "گہر" کے بجائے "صدف" سے مطلب رکھ کر جو ملا اپنے "کشکول شرح" میں ڈالتے چلے گئے ـــــ لیکن اس خانہ میں تنہا قادری صاحب نہیں ہیں۔ بنگاہ غور سے دیکھا جائے تو کیفی صاحب بھی نظر آئیں گے۔

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم   جنید و شبلی و عطار ہم مست

جسکی ایک مثال ع "ایک میرا ہی رحمت ..... دعوی نہیں" کے تعلق سے "میں" اور "پہ" کی بحث ہے۔ لکھتے ہیں :

> سوال یہ ہے کہ یہ مقام "پہ" کا ہے یا "میں" کا۔ بظاہر تو دونوں درست معلوم ہوتے ہیں مگر ہمارا موقف ہے کہ "پہ" کی بہ نسبت "میں" اصح ہے۔ اگر رحمت پہ دعوی ہو تو اس کے معنی ہوں گے مطالبہ کرنا، نالش کرنا یا مقدمہ دائر کرنا اور اگر رحمت میں دعوی ہو تو اس کا مفہوم ہوگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ رحمۃ للعلمین ہیں آپ کی رحمت ارض و سماء کو محیط

ہے جہاں ہر چیز آپ کی عنایت کی طلبگار ہے۔ وہیں احمد رضا بھی آپ کے حضور عرض حال کر رہا ہے (دعویٰ کے معنی عرض حال کے بھی ہیں۔۔۔۔ آموزگار، (میں) یہاں ظرف مجازی کے طور پر آیا ہے جیسے ولکم فی القصاص حیوٰۃ (میں) حرف تمیز ہے مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ بنیادی طور پر حالت ظرفی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کی مختلف صورتیں یہ ہیں۔

(۱) ظرف مکانی مثلاً گھر میں

(۲) ظرف زمانی کی تمیز کے لیے مثلاً دیر میں آنے والا، دو سال میں کام ختم ہوا۔

(۳) حالت، کیفیت، طور یا طریقے کے اظہار کے لئے مثلاً خوشی میں، غم میں، غصے میں ہنسی میں وغیرہ۔

میں مضطرب ہوں وصل میں خوف رقیب سے ڈالا ہے تم کو وہم نے کس پیچ و تاب میں

(۴) اسم ضمیر سے نسبت کے لئے، عمر میں بڑا ہے۔

(۵) مقابلے کے لئے، دونوں میں کون بڑا ہے۔ اس میں فرق ہے۔

(۶) وزن کے لئے، وزن میں پورا۔

(۷) صفت عددی کے ساتھ ربط و تعلق کے لئے، دس آدمیوں میں تقسیم کرو۔

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ مصنف جامع القواعد (نحو) نے بہتر اندراج اور وافر امثلہ سے (میں) کے مختلف مستعملات کی نشاندہی کی ہے۔

(۱) میں ظرف مکان کے ربط کے لئے :

دنیا میں کہیں اس نے ٹھکانہ جو نہ پایا آباد ہوئی خانہ خرابی مرے گھر میں

(۲) تعداد کے ربط کے لیے :

یہ کیا کہا کہ داغ ہے تو کس شمار میں یکتا ہوں میں ہزار میں کیا سو ہزار میں

(۳) ربط محض کے لئے :

گو قتل کا ارادہ ہو مجھ کو یہ ناز ہے بیٹھے رہے وہ آج مرے انتظار میں

(۴) امتیاز کے ربط کے لئے :

چلے آئے ہیں وہ مقتل میں ناخوش ... بُرا نکلا ہے کوئی امتحاں میں

(۵) حالت کے ربط کے لئے :

تکلیف شیفتہ ہوئی تم کو مگر حضور ... اس وقت اتفاق سے وہ ہیں عتاب میں

(۶) وجہ کے اظہار کے لئے :

مشتاق اس صدا کے بہت دردمند تھے ... اے داغ تم تو بیٹھ گئے ایک آہ میں

(۷) ظرفیت کے لئے :

اس سے پوچھو تم مری آشفتگی ... زلف کہہ دے گی تمہارے کان میں

(۸) ظرف مجازی کے لئے :

ترا آزردہ ہونا بھی ادا ہے ... مگر وہ دل لگی میں یا ہنسی میں

امثلہ مذکورہ بالا کو غائر نگاہ سے دیکھا جائے تو ان سے (رحمت ہیں دعوٰی) کی بخوبی تائید ہوتی ہے۔ (۶۳)

کیا — "ورق ہمیں سیاہ گشت کہ مدعا ایں جاست"؟

لیکن قادری صاحب نے کسی شعر کے تحت جو آیات و احادیث اور علماء کے اقوال جمع کئے ہیں کیا واقع اور نفس الامر میں بھی مندرج شعر سے اُن کا کوئی ربط نہیں ہے؟ ہر مقام پر اسکا جواب اثباتی صورت میں دیا جانا صحیح نہیں ہو گا۔

✲✲✲✲✲

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

اس شعر کے تحت قادری صاحب نے لکھا ہے:

[بزمِ ہدایت سے جماعتِ انبیاء علیہم السلام مراد ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس شعر میں آپ کے تین خصائص منتخب ہونا، سراپا ہدایت ہونا اور تمام انبیاء کے سردار ہونے کا ذکر ہے۔

داد دیجئے امام عشق و محبت کو ابتدائی شعر میں ایسے خصائص کا انتخاب کیا جو آپ کے کمالیات عالیہ پر دال ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ حضور کی تخلیق کائنات میں سب سے پہلے ہوئی اور باقی مخلوق آپ کے صدقے میں معرضِ وجود میں آئی یعنی آپ باعث ایجاد کائنات ہیں۔] (۶۴)

اس پر کیفی صاحب نے قرآن کریم کی وہ آیتیں جن میں انبیاء کرام اور دوسرے برگزیدہ حضرات کے تعلق سے "اصطفا" کا لفظ آیا ہے، ان کو پیش کر کے، فرمایا ہے۔

[قرآن مجید نے "اصطفا" جس سے یہ لفظ "مصطفیٰ" ماخوذ ہے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر بھی انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے استعمال فرمایا ہے۔ یہی نہیں انبیاء علیہم السلام کے علاوہ بھی اس کا استعمال نظر آتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔] (۶۵)

جناب مفتی صاحب نے "مصطفیٰ" کے لفظ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ان خصائص میں شمار کیا ہے جو آپ کے علاوہ کسی ذات میں نہیں پائے جاتے۔ تو یا تو مفتی محترم کے ذہن میں خصائص کبریٰ کی وضاحت نہیں، یا انھوں نے قرآن مجید کا مطالعہ فرمانا گوارہ نہیں کیا۔

> ہمارے خیال میں جس لفظ کی معنویت میں اس قدر وسعت ہو وہ کسی ایک ذات سے مخصوص نہیں کیا جا سکتا۔ چہ جائے کہ اسے خصوصیت کبریٰ بنا کر پیش کیا جائے۔ (۴۶)

یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم میں لفظ "اصطفا" کا اطلاق اپنے عام معنیٰ (منتخب ہونے) کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے افراد کے لئے بھی ہوا ہے۔ مگر اہل علم پر روشن ہوگا کہ وجودِ شئی کے دو مراتب ہیں:

(۱) اطلاق (۲) تقیید

پھر تقیید کی دو صورتیں ہیں:

(الف) بقید اطلاق (ب) بقید خاص

"شئی" جب مرتبہ اطلاق میں ہو، تو اسے عرف و اصطلاح میں کبھی "مطلقِ شئی" اور کبھی صرف "شئی" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور جب بقید اطلاق کی صورت میں ہو، تو کبھی اسے "شئی مطلق" کہتے ہیں اور کبھی صرف شئی ـــــ یونہی جب بقید خاص کی صورت میں ہو تو کبھی "مقید بقید فلاں"، اور کبھی صرف "مقید" کہدیتے ہیں۔

"مطلق شئی" امر کلی ہے۔ اس کا تحقق، ثبوتِ شئی کی کسی بھی صورت میں ہو سکتا ہے۔ یعنی کسی بھی جہت سے شئی پائی جائے تو اسے "مطلق شئی" کہا جائے گا۔ اس کے برخلاف "شئی مطلق" کا تحقق اسی وقت ہوگا، جب شئی کا ثبوت تمام جہتوں سے ہو۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ جب شئی کا ثبوت انتہائی درجۂ کمال پر ہو۔ جیسے کوئی "انسان" ناقص ہو تو اسے بھی "مطلق انسان" کہیں گے۔ مگر "انسان مطلق" نہیں ـــــ "انسان مطلق" صرف "انسان کامل" ہی کو کہا جائے گا۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں:

ان العلم علمان مطلق العلم واعنی بہ المطلق الاصولی الذی یقتضی اثباتہ ثبوت فرد ما۔ ویقتضی نفیہ بانتفاء جمیع الافراد وھو الفرد المنتشر والطبیعۃ	علم دو قسم پر ہے ایک مطلق العلم اور اس سے میری مراد وہ مطلق ہے جو علم اصول کی اصطلاح ہے، جس کا ثابت کرنا کسی ایک فرد کا ثبوت چاہتا ہے اور نفی کرنا کل افراد کی نفی چاہتا ہے۔

الممکنه من ای فرد شاءت کما حققه خاتمة المحققین سیدی الوالد قدس سرہ الماجد فی کتابه المستطاب "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" فالقضیة الایجابیة ھھنا موجبة جزئیة تعم الکلیة والسلبیة سالبة کلیة — والعلم المطلق واعنی به مودی اداة العموم والاستغراق الحقیقی الذی لایثبت الا بثبوت جمیع الافراد وینتفی بانتفاء فرد ما فالموجبة ھھنا موجبة کلیة والسالبة جزئیة۔ (۶۷)

اور یہ مطلق یا تو فرد غیر معین ہے۔ یا نفس ماہیت، جو کسی فرد میں ہو کر پائی جائے جیسا کہ اسکی تحقیق خاتمۃ المحققین حضرت والد ماجد قدس سرہ الماجد نے اپنی کتاب مستطاب "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" میں فرمائی۔ تو قضیہ موجبہ یہاں موجبہ جزئیہ ہے کہ موجبہ کلیہ کو عام ہے۔ اور قضیہ سالبہ کلیہ ہے۔ دوسرا علم مطلق اور اس سے میری مراد وہ ہے جو عموم و استغراق حقیقی کا مفاد ہے، جس کا ثبوت نہیں ہوتا، جبتک جملہ افراد نہ موجود ہوں۔ اور صرف کسی ایک فرد کی نفی سے منتفی ہو جاتا ہے۔ تو موجبہ یہاں کلیہ ہوگا اور سالبہ، جزئیہ۔

آیت کریمہ — "یاایھا الناس اعبدوا ربکم" (۶۸) — میں "الناس" سے چونکہ "مطلق انسان" مراد ہے اس لئے اس قاعدہ کے تحت اللہ تعالیٰ کی پرستش کا حکم انسان کے ناقص ترین فرد کو بھی ہے، بشرطیکہ وہ مکلف ہو۔ اس کے برعکس ——— "خلق الانسان علمہ البیان" (۶۹) — میں "الانسان" سے "انسان مطلق" اور "البیان" سے "بیان مطلق" مراد ہے اس لئے مفسرین کرام نے "الانسان" کا مصداق "انسان کامل" یعنی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور "البیان" کا مصداق "بیان کامل" یعنی "بیان ماکان ومایکون" بتایا ہے۔

خلق الانسان قیل ھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لانہ الانسان الکامل علمہ البیان یعنی بیان ماکان ومایکون۔ (۷۰)

کبھی صاحب نے قرآن کریم سے متعدد آیتیں پیش کر کے یہ تو ثابت کر دیا ہے کہ "اصطفا" اپنے عام معنی (منتخب ہونے) کے اعتبار سے انبیاء کے علاوہ دوسرے افراد میں بھی

پایا جاتا ہے ——— مگر یہ ثابت نہیں کیا کہ ان حضرات میں "مطلق اصطفا" پایا جاتا ہے۔ یعنی کچھ خاص افراد کی بہ نسبت کسی خاص زمان و مکان میں کسی مخصوص جہت سے —— یا —— "اصطفائے مطلق" یعنی تمام افراد کی بہ نسبت تمام زمان و مکان میں تمام جہات و حیثیات سے ؟

اسی طرح یہ تو ثابت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم "مصطفیٰ" ہیں۔ امام احمد رضا نے اس شعر میں آپ کی اسی صفت کو ملحوظ رکھ کر سلام عرض کیا ہے۔ اور قادری صاحب نے آپ کے اسی وصف کو ایسے خصائص میں شمار کیا ہے، جو آپ کے علاوہ کسی ذات میں نہیں پائے جاتے ——— مگر یہ واضح نہیں ہو پایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس "مطلق مصطفیٰ" ہے یا "مصطفائے مطلق" ؟

ہم دیکھتے ہیں کہ کیفی صاحب کی پیش کردہ تمام آیتوں میں "مطلق اصطفا" ہی مراد ہے "اصطفائے مطلق" کسی آیت میں مراد نہیں چنانچہ پہلی آیت ولقد اصطفیناہ فی الدنیا (۷۱) اور بے شک ضرور ہم نے دنیا میں اسے (ابراہیم کو) چن لیا۔ (۷۲) کے تحت تفسیر جلالین میں ہے "بالرسالة والخلة" (۷۳) یعنی ابراہیم علیہ السلام کا اصطفا رسالت و خلت کے لئے ہے دوسری آیت قال یموسیٰ انی اصطفیتک علی الناس برسٰلتی وبکلامی الایۃ (۷۴) (فرمایا اے موسیٰ میں نے تجھے لوگوں سے چن لیا اپنی رسالتوں اور اپنے کلام سے) (۷۵) کے تحت ہے — "اهل زمانک" (۷۶) یعنی موسیٰ علیہ السلام کا اصطفا رسالت و کلام کی جہت سے ہے وہ بھی اسی زمانہ کے لوگوں کی بہ نسبت — تیسری آیت۔ ان اللہ اصطفیٰ آدم ونوحا وآل ابراھیم وآل عمران علی العالمین۔ (۷۷) (بے شک اللہ نے چن لیا آدم اور نوح اور ابراہیم کی آل اور عمران کی آل اولاد کو سارے جہاں سے) (۷۸) کے تحت ہے — "بجعل الانبیاء من نسلھم" (۷۹) — یہ اصطفا نبی بنانے کی جہت سے ہے۔ چوتھی آیت۔ یامریم ان اللہ اصطفاک وطھرک واصطفاک علی نساء العالمین۔ (۸۰) (اے مریم بے شک اللہ نے تجھے چن لیا اور خوب ستھرا کیا اور سارے جہاں کی عورتوں سے تجھے پسند کیا) (۸۱) کے تحت ہے — "ای اهل زمانک" (۸۲) — یہ اصطفا اسی زمانہ کے لوگوں کی بہ نسبت ہے۔ پانچویں آیت۔ ان اللہ اصطفاہ علیکم (۸۳) اسے

(طالوت کو) اللہ نے تم پر چن لیا (۸۴) کے تحت ہے۔ "اختار للملک" (۸۵) ــ یہ اصطفا
حکومت و بادشاہت کے لیے ہے وھکذا۔

اب اگر ان حضرات ہی کی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی "مصطفیٰ" ہونا کچھ افراد کی بہ نسبت، کسی خاص زمان و مکان میں، کسی مخصوص جہت و حیثیت سے ہو، تو قادری صاحب اپنے اس دعویٰ میں ناکام ہوں گے کہ امام عشق و محبت نے سلام کے سلسلے میں آپ کو "مصطفےٰ" کہہ کر آپ کے خصائص کو بیان کیا ہے۔ اور کبھی صاحب کا یہ فرمانا بجا ہوگا کہ "یا تو مفتی محترم کے ذہن میں خصائص کبریٰ کی وضاحت نہیں یا انہوں نے قرآن مجید کا مطالعہ فرمانا گوارہ نہیں کیا۔"

لیکن اگر آپ کا "مصطفیٰ" ہونا تمام افراد کی بہ نسبت، تمام زمان و مکان میں، تمام جہات و حیثیات سے ہو۔ یعنی آپ "مصطفائے مطلق" ہوں" تو قادری صاحب کا یہ کہنا بجا ہوگا اور محترم پروفیسر کبھی صاحب کے مذکورہ بالا ارشاد کی کوئی قدر و منزلت نہیں رہ جائے گی۔

قادری صاحب نے آپ کی شان "مصطفائی" کو من جملہ خصائص ثابت کرنے کے لئے یہ آیت کریمہ پیش کی ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ الایۃ (۸۶)

اور فرمایا ہے:

> اس سے بڑھ کر کیا انتخاب ہو سکتا ہے کہ محبوب بنانے کے لئے آپ ہی کی ذات کو شرف بخشا، بلکہ آپ کی اتباع کرنے والے کے لئے درجۂ محبوبیت کی بشارت دی۔ (۸۷)

حدیث پاک میں ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الا وانا حبیب اللہ (۸۸) سن لو! میں اللہ کا حبیب ہوں۔

حضرت شیخ محقق حبیب کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"محبی اول بشارت است کہ صادر شدہ است از جناب الٰہی در ایجاد مخلوقات ہمہ فرع اویند	توجہ: حبی پہلی مشیت ہے جو ایجاد مخلوقات میں جناب الٰہی سے ظہور پذیر ہوئی۔ تمام مخلوقات

وجمیع حقائق ظاہر شدہ است مگر بواسطۂ حب، واگر نمی بود حب پیدا کردہ نمی شد خلق شناختہ نمی شد اسمار وصفات الٰہی وخلق ظاہر نمی شدہ مگر بواسطۂ روح محمدی چنانکہ معلوم شد۔ پس اگر روح محمدی نمی بود نمی شناخت خدا را ہیچ احدے زیراکہ پیدا نمی بود ہیچ احدے۔ پس حب واسطہ اوّلی است مر وجود موجودات را وبہ تحقیق وارد شدہ است کہ حق تعالیٰ در شب معراج با حبیب خود گفت لولاک لما خلقت الافلاک، پس معلوم شد حضرت محمد است مقصود او بتوجہ حبی بر آن معرفت کنز مخفی، و ہر کہ ماسوا اوست عطف ست بروے واوست اصل مقصود از حب الٰہی دیگر وے ہمچو فرع ست مر او را پس ازیں جہت مخصوص گردانیدہ است او را حق سبحانہ بنام حبیب نہ غیر او را ومحبوب گردانیدہ است وے سبحانہ از امت آنرا کہ متابعت کرد او را بقولہ تعالیٰ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ (۸۹)

اسی کی فرع ہیں۔ تمام حقائق حب ہی کے واسطہ سے ظہور میں آئے۔ اگر حب نہ ہوتا تو مخلوق پیدا نہ کی جاتی۔ اور مخلوق پیدا نہ کی جاتی تو اسمار وصفات الٰہی کی معرفت نہ ہوتی۔ اور مخلوق روح محمدی ہی کے صدقے میں پیدا ہوئی، پس اگر روح محمدی نہ ہوتی تو کسی کو خدا کی معرفت نہیں ہو پاتی۔ اس لئے کہ کسی کا وجود ہی نہیں ہوتا پس موجودات کی تخلیق کا پہلا واسطہ حب ہوا۔ بلاشبہ حدیث میں ہے کہ شب معراج خدا نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا "محبوب! تم نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا" جس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی بتوجہ حبی "کنز مخفی" کی معرفت کے لئے مقصود ہے۔ آپ کے ماسوا سب تابع ہیں، آپ ہی حب الٰہی سے مقصود ہیں۔ باقی سب آپ کی فرع۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو "حبیب" کا خطاب عطا فرمایا اور آپکی اتباع کرنے والے امتیوں کو قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ فرما کر محبوب بنالیا۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

حقیقت محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام

مراتب ظلال طے کرنے کے بعد اس فقیر پر

که حقیقة الحقائق ست در آخر کار بعد از طئ
مراتب ظلال ایں فقیر منکشف گشته است
و یقین ظہور حبی است که مبدا ظہور است
و منشا خلق مخلوقات است و در حدیث
قدسی که مشہور است آمده است کنت کنزاً
مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق
لاعرف اول چیزے که ازاں گنجینۂ مخفی بر منصۂ
شہود آمد حب بوده است که سبب خلق
خلائق گشت اگر ایں حب نمی بود در ایجاد
نمی کشود، عالم در عدم راسخ و مستقر بود۔
سر حدیث قدسی لولاک لما خلقت
الافلاک را که در شان ختم الرسل واقع
است اینجا باید جست و حقیقت لولاک لما
اظہرت الربوبیة ازیں مقام باید طلبید
(۹۰)

منکشف ہوا ہے کہ حقیقت محمدی حقیقۃ الحقائق
ہے۔ اور یقینی ظہور حب ہے جو ظہور کا مبدا
اور خلق کی ایجاد کا منشا ہے۔ مشہور حدیث
قدسی میں ہے کہ میں "کنز مخفی" تھا، تو مجھے
اس بات سے محبت ہوئی کہ پہچانا جاؤں پس
مخلوق کو پیدا کیا کہ میری شناخت ہو جائے
پس اس "کنز مخفی" سے سب سے پہلی شئی جو
منصۂ شہود میں آئی وہ حب ہے جو مخلوقات
کی تخلیق کا سبب ہے۔ اگر حب نہ ہوتا تو ایجاد
کا دروازہ نہ کھلتا، کائنات پردۂ عدم ہی میں
رہتی۔ شان ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں
جو حدیث قدسی لولاک لما خلقت الافلاک
وارد ہے اس کا راز یہی ہے لولاک لما
اظہرت الربوبیہ والی حدیث قدسی کا مقصد
اسی مقام سے طلب کرنا چاہیے۔

علامہ یوسف نبہانی نے "الکمالات الالٰہیہ فی الصفات المحمدیہ" کے حوالہ سے لکھا ہے:

فخلق من تلک المحبة حبیبا اختصه
لتجلیات ذاته وخلق العالم من ذلک
الحبیب لتصح النسبة بینه وبین خلقه
فیعرفوه بتلک النسبة فالعالم مظهر
تجلیات الذات وکما ان الصفات فرع

پس اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی تجلیات کے
لئے مخصوص فرما کر اس محبت سے حبیب کو
پیدا کیا اور محبوب سے تمام کائنات کو خلعت
وجود بخشا تاکہ خالق اور مخلوق کے درمیان
نسبت قائم رہے اور مخلوق اس نسبت کے

من الذات کذلک العالم فرع من الحبیب فهو صلی اللہ علیہ وسلم واسطۃ بین اللہ وبین العالم۔ (۹۱)

واسطہ سے خدا کو پہچانے۔ پس عالم صفاتی تجلیات کا مظہر اور حبیب ذاتی تجلیات کا مظہر ہے تو جسطرح صفات ذات کی فرع ہوتی ہیں اسی طرح کائنات حبیب کی فرع ہے۔ پس آپ خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں۔

محبت کے عنوان پر مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عالم کے وجود وظہور کا سبب یہ بنا کہ اللہ تعالیٰ نے "مصطفیٰ" صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی محبت کے لئے "مخصوص" فرمالیا۔ یہ آپ کی وہ خصوصیت ہے جس میں کوئی دوسرا آپ کا شریک نہیں۔ ——

قادری صاحب نے آیت کریمہ کے بعد یہ حدیث نقل کی ہے۔

فاصطفاه لنفسہ (۹۲) اللہ نے آپ کو اپنی ذات کے لئے منتخب فرمالیا۔

ذات کیلئے منتخب فرمانے اور نبوت ورسالت عطا کرنے کے لئے منتخب فرمانے میں جو جوہری فرق وامتیاز ہے، اسے کچھ اہل عرفان ومحبت ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ "من لم یذق لایدر" نبوت ورسالت کے لئے منتخب فرمانے میں تخصیص وتقیید ہے اور ذات کے لئے انتخاب فرمانے میں عموم واطلاق۔ علامہ یوسف نبہانی نے شیخ اکبر کے حوالہ سے فرمایا ہے۔

اصطفی واحدا من خلقہ ھو منھم لیس منھم ھو المھیمن علی جمیع الخلائق جعلہ اللہ عمدا واقام علیہ قبۃ الوجود وجعلہ اللہ اعلی المظاھر واسناھا صنع لہ المقام تعینا وتعریفا . . . . وھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لایکاثر ولایقادم۔ الخ (۹۳)

خدا نے ساری مخلوق سے صرف ایک ذات کو چن لیا جو بظاہر ان ہی میں سے ہے۔ لیکن درحقیقت ان میں سے نہیں وہی ساری مخلوق کا نگہبان ہے۔ اسے ستون بنا کر اس پر کائنات کے وجود کا قبہ کھڑا کیا ہے اور اسے نہایت اعلیٰ وخوبصورت منظر بنایا ہے۔ تعین وتعریف کے لئے اسی کا منصب متعین فرمایا ہے۔ وہ ہستی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے جسکی کوئی مثال نہ مقابل۔

اسی لئے خود "مصطفےٰ" صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ابیتم فواللہ ...... انا النبی المصطفیٰ آمنتم او کذبتم۔ (۹۴)

تم نے نہ مانا تو سن لو خدا کی قسم میں ہی نبی مصطفیٰ ہوں۔ چاہے تم مانو یا نہ مانو۔

***

جانِ رحمت

جانِ رحمت کے تعلق سے قادری صاحب نے لکھا ہے :

[جبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سراپا رحمت و رافت ہے۔ (۹۵)]

پھر آیت و حدیث اور علمار کے اقوال سے اس بات کا ثبوت فراہم کر کے کہ آپ کی ذات کائنات کی ہر شئی کے لئے رحمت ہے ارشاد فرمایا ہے۔

[جب آپ کی ذات کائنات کی ہر شئی کے لئے رحمت ہے تو ماننا پڑے گا کہ ہر شئی کا وجود آپ ہی کے وجود کا مرہونِ منت ہے۔ (۹۶)]

سوال یہ کہ ماننا کیوں پڑے گا؟ اس کی وضاحت قادری صاحب نے یہاں نہیں کی ہے۔ کاش! وہ یہاں بھی علمار کی کتابوں سے مندرجۂ ذیل قسم کی عبارتیں نقل کر دیتے، تو تلازم کا ثبوت مل جاتا اور قارئین سوال کا جواب پا جاتے۔

(۱) ایها الفهیم ان الله سبحانه اخبرنا ان نور محمد اول ما خلقه من جمیع خلقه ثم جمیع الخلائق من العرش الی الثرٰی من بعض نور مختار ساله من العدم الی مشاهدة القدم رحمة لجمیع الخلائق اذ الجمیع صدر منه فکونه کون الخلق و کونه سبب وجود الخلق و سبب رحمة الله علی جمیع الخلائق اذ هو سبب وجود

سمجھدار انسان! اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگاہ کر دیا ہے کہ اس نے اپنی کل مخلوقات میں جو چیز سب سے پہلے پیدا کی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ مبارک ہے پھر اللہ نے اس نور کے ایک حصہ سے عرش تا فرش تمام مخلوقات کو پیدا کیا۔ لہٰذا عدم سے قدم کی طرف حضور کی تشریف آوری تمام مخلوقات کے لئے رحمت ہے۔ کیونکہ سب کا صدور آپ ہی کے

الجميع فهو رحمة كانيه. وانهم ان جميع
الخلائق صورة مخلوقة مطروحة فى
فضاء القدرة بلا روح حقيقة منتظرا
لقدوم محمد صلى الله عليه وسلم
فاذا قدم فى العالم صار العالم حيا بوجوده
لانه روح جميع الخلائق قال الله وما
ارسلناك الا رحمة للعلمين. (۹۷)

نور سے ہے لہٰذا آپکا ہونا مخلوق کا ہونا ہے اور
آپکا وجود، وجود خلق کا سبب اور جمیع خلائق پر
اللہ کی رحمت کا باعث ہے، اس لئے کہ آپ ہی
سارے وجود کا سبب ہیں۔ پس آپ ایسی رحمت
ہیں جو سب کے لئے کافی ہے۔ اور ہمیں سمجھا دیا ہے کہ
تمام مخلوقات جو دراصل بے جان تھیں گویا فضائے
قدرت میں صورت مطروحہ کی طرح حضور کی
آمد کا انتظار کر رہی تھیں جب آپ تشریف
لائے، تو تمام عالم آپ کے وجود سے زندگی پا گیا۔
اسلئے کہ تمام مخلوقات کی روح آپ ہی ہیں۔ ارشادِ
باری وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین کا
مفاد یہی ہے۔

(۲)۔ ثم من المعلوم انه لولا نور
وجوده وظهور كرمه وجوده لما خلق
الافلاك ولا اوجد الاملاك فهو
مظهر للرحمة الالهية التى وسعت
كل شيئ من الخلائق الكونية المحتاج
الى نعمة الايجاد ثم الى منحة الامداد. (۹۸)

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اگر آپ کا نورِ وجود اور
ظہورِ کرم و بخشش نہ ہوتا تو افلاک و املاک نہ
ہوتے۔ پس آپ کی ذات اس رحمت الٰہیہ
کا مظہر ہے جو نعمت ایجاد پھر فیض امداد میں
محتاج، تمام حقائق کو محیط ہے۔

(۳)۔ ليرحم الله به الموجودات
الكونيه فيخلقها على نسخته ويستخرجها
من نشأته فخلق منه العرش
والكرسى وسائر العلويات والسفليات

اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات کونیہ کو آپ کے
نسخہ پر پیدا کر کے اور آپ کے وجود سے وجود
بخش کر ہی ان پر رحم فرمانا چاہا۔ اس لئے آپ
ہی کے نور سے عرش و کرسی اور سر بالا و پست کو

لتكون به مرحومة اذهى من نشأته الكريمه مخلوقة على انموذج نسخته العظيمة ولذلك سبقت رحمة الله غضبه لان العالم كله على نسخة الحبيب والحبيب مرحوم — (۱۰۱)

بنایا، تاکہ وہ رحمت کے مستحق ہو جائیں کیونکہ وہ آپ ہی کی ہستی سے آپ ہی کے نسخۂ عظیمہ کے مطابق پیدا ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے کیونکہ تمام عالم نسخۂ حبیب کے مطابق ہے اور حبیب سراپا رحمت —

عرائس البیان، جواہر البحار اور شرح شفا کی مذکورہ بالا عبارتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کائنات کا وجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا مرہون منت ہے۔ آپ کی رحمت ہی سے کائنات نے خلعت وجود پایا۔ بلکہ رحمت خداوندی کا ظہور ہی آپ کی ذات سے ہوا — لہٰذا آپ نہ صرف یہ کہ رحمت بلکہ جان رحمت بھی ہوئے۔

اس لئے محترم کبھی صاحب اس مقام پر یہ کہنے میں پورے طور پر نہ سہی ایک حد تک ضرور حق بجانب ہیں کہ:

> مفتی صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمۃ للعلمین کے حوالہ سے کئی ایک احادیث نقل فرمائی ہیں مگر وہ جان رحمت کے مطالب ومعانی کے ان پرتوں کو کھولنے سے قاصر رہے ہیں جن میں اس ترکیب کا حسن پنہاں ہے۔ (۱۰۲)

❁❁❁❁❁

شمع بزمِ ہدایت

شمع بزم ہدایت کے ذیل میں قادری صاحب نے لکھا ہے:

بزم ہدایت سے جماعت انبیاء علیہم السلام مراد ہے۔ (۱۰۳)
آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام اور ہادیان عالم کا سربراہ بنایا آپ کے نور نبوت ورسالت سے ہر نبی نے فیض پایا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر رسول اور نبی سے آپ پر ایمان لانے اور آپ کے مشن میں تعاون کا وعدہ لیا اس عہد کو قرآن نے میثاق انبیار کا نام دیا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا کا اجلاس طلب فرمایا اس میں حضور علیہ السلام کے اوصاف و کمالات کا تذکرہ خود خالق نے کیا اور یہ حکم دیا کہ تم سب اس میرے حبیب پر ایمان لاؤ اور ان کے مددگار بن جاؤ۔ اس اجلاس و معاہدہ کی تفصیلات قرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ واذ اخذ اللہ میثاق النبین الایۃ ......
اس آیۃ کی تفسیر میں امام قسطلانی حافظ ابن کثیر کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور اقدس کو پیدا فرمایا اور اس کو افاضۂ کمالات اور خلعت نبوت سے مشرف کرنے کے بعد جب دیگر انبیار کے انوار کو پیدا کیا تو نور مصطفوی کو حکم دیا کہ ان کے سامنے تشریف لائے اور ان پر نظر ڈالے جونہی آپ کا نور ان کے سامنے آیا تو اللہ نے ان تمام انوار کو اپنی ضیار یت میں گم کر دیا تو وہ بول اٹھے اے ہمارے پروردگار تبارک وتعالیٰ! یہ کون ہیں جن کے نور نے ہمیں ڈھانپ لیا ہے اور ہم پر غالب آگیا ہے تو اللہ نے

فرمایا یہ محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہے اگر تم اس پر ایمان لاؤ تو میں تمہیں منصب نبوت پر فائز کروں گا۔ انھوں نے عرض کیا ہم ایمان لاتے ہیں۔ اس کا تذکرہ اس آیت میں ہے واذ اخذ اللہ میثاق النبین ... (۱۰۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمام رسولوں کا قائد ہوں مگر فخر نہیں میں تمام انبیار کا خاتم ہوں مگر فخر نہیں ..... (۱۰۵)

امام اہل محبت نے آپ کی اس عظیم عظمت کو شمع بزم ہدایت کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ (۱۰۶)

اس پر پروفیسر کعبی صاحب فرماتے ہیں :

اعلیٰ حضرت نے بزم ہدایت کو وسیع تر معنوں میں استعمال کیا ہے لیکن مفتی صاحب نے بزم ہدایت سے جماعت انبیار علیہم السلام مراد لیکر اس کی وسعت کو محدود کر دیا ہے۔ ہم یہ تو نہیں کہتے کہ بزم ہدایت میں انبیار علیہم السلام شریک نہیں لیکن اس ترکیب سے محض جماعت انبیار علیہم السلام ہی مراد لینا درست نہیں۔

ہدایت کے عمل میں دو طرح کے افراد شریک ہوں تو یہ عمل مکمل ہوتا ہے۔ ایک ہادیان کرام جو ہدایت کی ترسیل کے فرائض سرانجام دیتے ہیں دوسرے وہ افراد، جن تک ہدایت کا ابلاغ ہونا ہوتا ہے اگر گم کردہ راہ افراد نہ ہوں جن کو ہدایت کی ضرورت ہے تو کسی ہادی کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی اور ان دونوں سے بالاتر وہ ذات لاشریک جس نے ہدایت کا فریضہ ان ہادیان کرام کے سپرد کیا اور جو ہادی مطلق ہے اس کے بغیر کوئی ہدایت نہیں پا سکتا وہ خود بھی اس بزم میں شامل ہے۔ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ کا بڑا معروف شعر ہے۔

خدا خود میر محفل بود اندر لامکاں خسرو ✧ محمد شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

جس محفل کا ذکر امیر علیہ الرحمہ نے کیا ہے وہی بزم ہدایت ہے۔ ہدایت ظاہری

بھی اور ہدایت باطنی بھی۔ (۱۰۷)

مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ ہدایت سے جماعت انبیاء علیہم السلام مراد ہے بزم ہدایت کے معانی کو پوری طرح احاطہ نہیں کرتا بلکہ ایک عام قاری کی گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ پھر یہی نہیں اعلیٰحضرت کے کلام کے حسن کو مجروح کر رہا ہے۔ (۱۰۹)

کبیی صاحب کی بزم ہدایت تخیلی ہے۔ یعنی خالق ہدایت اور اس نے ہدایت کی ترسیل وابلاغ کا فریضہ جن حضرات کے سپرد کیا یعنی انبیاء کرام — اسی طرح وہ افراد جن تک ہدایت کا ابلاغ ہونا ہوتا ہے یعنی گم کردہ راہ افراد — ان سب کے خیالی اجتماع سے ایک ہیئت وحدانی انتزاع کی گئی ہے جسے بزم کہتے ہیں۔ اس بزم میں خداوند قدوس میر مجلس ہے۔ اب اس مجلس میں مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت شمع محفل کی ہے کہ جس طرح شمع کے بغیر اس مقصد کا ابلاغ نہیں ہو سکتا جس مقصد کے لیے وہ مجلس منعقد کی جاتی ہے اسی طرح آپ کے بغیر ہدایت کا ابلاغ ممکن نہیں۔

اس صورت میں بزم ہدایت کی دلالت ان تمام افراد پر جن کے ذمہ ہدایت کی ترسیل وابلاغ کا فریضہ انجام دینا ہے یعنی انبیاء کرام اور جن تک ہدایت کا ابلاغ ہونا ہے یعنی گم کردہ راہ افراد، بلاواسطہ اور براہ راست ہوگی۔ لہٰذا اس خاص جہت سے ان میں فرق مراتب نہیں ہوگا۔

قادری صاحب کی "بزم ہدایت" واقعی ونفس الامری ہے۔ یعنی واقعۃً اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت' جو درحقیقت ابلاغ ہدایت ہے، اس کی خدمت انجام دینے کے لئے عالم بالا میں انبیاء کرام کے انوار کو جمع فرمایا، جس کی ہیئت وحدانی کو بزم سے تعبیر کرتے ہیں — پھر اس بزم میں مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو جلوہ گر کیا اور نور محمدی کی شمع جلائی، جس سے اکتساب نور کر کے انبیاء کرام منصب نبوت کے مستحق اور ابلاغ ہدایت کے حامل ہوئے۔ جس پہ آیت کریمہ اذاخذ اللہ میثاق النبیین، اور امام قسطلانی کے حوالے سے تفسیر ابن کثیر کی نقل شدہ عبارت شاہد عدل ہے۔ شیخ محقق نے بھی مدارج النبوۃ میں یہی ارشاد فرمایا ہے۔

در اخبار آمده است کہ چوں مخلوق شد نور آں حضرت و بیروں آمد از وے علیہم السلام امر کرد او را پروردگار تعالیٰ کہ نظر کند بجانب انوار ایشاں پس نظر کرد آں حضرت انوار ایشاں را گفتند اے پروردگارما ایں کیست کہ پوشید نور وے انوار مارا۔ گفت اللہ تعالیٰ ایں نور محمد بن عبداللہ است اگر ایمان آرید بوے می گردانم شمارا انبیاء، گفتند ایماں آوردیم یارب بوے و نبوت وے پس گفت رب العزت جل جلالہ گواہ شدم بر شما و این ست معنیٰ قول حق سبحانہ واذ اخذ اللہ میثاق النبیین الایۃ۔

(۱۰۹)

حدیثوں میں آیا ہے کہ جب نور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا گیا اور آپ کے نور سے تمام انبیاء علیہم السلام کے انوار نکالے گئے تو حق تعالیٰ نے نور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا کہ ان انوار کی جانب نظر کیجیے جب حضور نے ان پر نظر فرمائی تو ان تمام کے انوار پر آپ کا نور غالب آگیا۔ اور ان کے انوار ماند پڑ گئے وہ عرض کرنے لگے اے ہمارے پروردگار یہ کس کا نور ہے جس کے سامنے ہمارے انوار ماند پڑ گئے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا یہ نور محمد بن عبداللہ کا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم اگر تم ان پر ایمان لاؤ گے تو ہم تمہیں نبوت سے سرفراز کریں گے۔ سب نے بیک زبان عرض کی اے رب ہم ان پر اور انکی نبوت پر ایمان لائے۔ اس پر رب العزت جل جلالہ نے ارشاد فرمایا میں تم پر گواہ ہوں ارشاد ربانی واذ اخذ اللہ میثاق النبیین کے یہی معنی ہیں۔

اس صورت میں "بزم ہدایت" کی دلالت ان افراد پر جو ہدایت کی ترسیل و ابلاغ کا فریضہ انجام دینے والے ہیں بلاواسطہ و براہ راست ہوگی۔ اور جن تک ہدایت کا ابلاغ ہونا ہے ان پر بالتبع و بالواسطہ ــــ لہذا جو حضرات ہدایت کے ابلاغ کا فریضہ انجام دینے والے ہیں اور جن حضرات تک ہدایت کا ابلاغ ہونا ہے یعنی گم کردہ راہ افراد ان میں اس خاص جہت سے بھی فرق مراتب ہوگا۔

میں نہیں سمجھتا کہ امام احمد رضا نے حقیقت واقعیہ کو پس پشت ڈال کر، محض تخیلی طور پر مصطفےٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے "شمع بزم ہدایت" کی ترکیب وضع کی ہوگی۔ اور جو لوگ ہدایت کے ابلاغ کا فریضہ انجام دینے والے ہیں اور جن لوگوں تک ہدایت کا ابلاغ ہونا ہے ان میں اس خاص جہت سے بھی فرقِ مراتب ملحوظ نہ رکھ کر بزم ہدایت سے سب کو براہ راست و بلاواسطہ مراد لیا ہوگا۔

خصوصاً جبکہ اس میں عوام کے لحاظ سے یہ ایہام بھی ہے کہ بزم ہدایت میں خدا بھی شامل ہے اور حضور اس کی شمع ہیں تو جس طرح بزم کے سارے افرادِ شمع سے اکتساب نور کرتے ہیں خواہ وہ میر مجلس ہی کیوں نہ ہوں اسی طرح معاذ اللہ۔۔۔

اس لئے اگر عوام کے گمراہ ہونے کا سوال ہو تو بزم ہدایت سے متعلق کیفی صاحب ہی کی توضیح سے ہوگا قادری صاحب کی توضیح سے نہیں۔

عوام کے لئے اس ایہام کے لفظ پر کیفی صاحب کو حیرت نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ امیر خسرو علیہ الرحمہ کے اشعار دینی اعتبار سے سند کی حیثیت رکھتے ہوں تو اس معیار کے مطابق کیفی صاحب کے لئے یہ ثابت کرنا آسان نہیں ہوگا کہ یہ شعر حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ کا ہے۔ امیر خسرو کے جو مطبوعہ دواوین میری نظر سے گذرے ان میں سے کسی دیوان میں یہ شعر بلکہ جس غزل کا یہ شعر ہے وہ غزل ہی موجود نہیں ——— پھر کسی طرح ثابت بھی ہو جائے تو اس میں یہ ایہام، محترم کیفی صاحب کے اندازِ تشریح سے پیدا ہوا ہے۔ فی نفسہ اس میں ایہام نہیں ہے۔

کسی بھی اچھے اور اونچے درجہ کے شعر میں دونوں مصرعوں کے تمام الفاظ معنوی اعتبار سے بھی باہم مربوط ہوتے ہیں ——— اور مذکورہ توضیحات و تشریحات کی روشنی میں "مصطفےٰ جانِ رحمت اور شمع بزم ہدایت" تینوں الفاظ کے مابین معنوی ارتباط و یگانگت بالکل ظاہر ہے۔

❊❊❊

مہرِ چرخِ نبوت پہ روشن درود
گلِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام

مصرعہ ــــ "گلِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام" ــــ عروضی نقص سے مبرّا، صوتی حسن سے مملو ہے۔ ناظم نے اسے ــــ وردِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام" ــــ سے بدل کر فنِ عروض کے ساتھ ساتھ صوتی حسن کے ذوق سے بھی اپنی بیگانگی کا ثبوت دیا ہے۔

مفتی صاحب نے بھی عجیب و غریب شرح فرمائی ہے لکھتے ہیں:

"آپ کی ذات اقدس آسمان نبوت کا ایسا چمکتا ہوا آفتاب ہے کہ اسکے طلوع کے بعد گلستان رسالت میں کسی غنچہ کے چٹکنے کی کوئی گنجائش نہ رہی۔ (۱۱۰)

ــــ "آپ کی ذات اقدس آسمان نبوت کا چمکتا ہوا آفتاب ہے" ــــ یہ "مہر چرخ نبوت" کا معنی تو ہے۔ مگر میں سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ــــ "اس آفتاب کے حسن طلوع کے بعد" ــــ اس فقرے کا ــــ "گلِ باغِ رسالت" ــــ کی توضیح سے کیا تعلق؟

ــــ "مہر چرخ نبوت" ــــ کے تحت قرآن کریم اور کتب تفاسیر سے استناد پیش کرنے کے بعد مفتی صاحب نے "گلِ باغِ رسالت" کی طرف توجہ کی ہے اور فرمایا ہے۔

خود باغ رسالت کی بہار جس گل سر سبد سے ہے وہ اللہ کے حبیب کی ذات اقدس ہے۔ (۱۱۱)

یہ تو صحیح ہے۔ مگر شعر کے دونوں مصرعوں میں کیا تناسب ہے؟ قادری صاحب نے اس کی طرف اشارہ کرنے کی بھی زحمت گوارہ نہیں کی۔ "نبوت" جو غیب کی مشعر ہے اور "آسمان" ان دونوں میں ــــ اسی طرح "رسالت" جس کا راست تعلق دنیا سے ہے اور "باغ" ان

دونوں کے مابین "حسن تناسب" قائم ہے ——— پھر "چرخ نبوت" اور "باغ رسالت" میں تضاد کی نسبت" ہے اس طرح "مہر چرخ نبوت" اور "گل باغ رسالت" میں کمال تناسب موجود ہے۔

امام احمد رضا نے "آسمان" کی مناسبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "سورج" کہنے میں اس کے تمام لوازم کو ملحوظ رکھا ہے۔ یونہی "باغ" کی مناسبت سے" پھول" کہنے میں بھی ——— اس طرح امام عشق و محبت نے حضور کے فیضان کے احاطے میں زمین و آسمان سب کو شامل کر لیا ہے۔

کیفی صاحب نے اس مقام پر جناب ناظم کی خبر تو لی ہے۔ مگر قادری صاحب کو فراموش کر گئے ہیں۔ جس سے قارئین کو دھوکہ ہو سکتا ہے کہ وہ قادری صاحب سے اتفاق رکھتے ہوں گے۔

٭٭٭٭٭٭

✽

نورِ عینِ لطافت پہ الطف درود

زیب و زینِ نظافت پہ لاکھوں سلام

قادری صاحب نے پہلے مشکل الفاظ کے معانی دیئے ہیں۔

[عین، سراپا۔ لطافت، شفاف۔ الطف، سب سے پاکیزہ۔ زیب، زینت زین، خوبصورت۔ (۱۱۲)]

پھر ارشاد فرمایا ہے:

[آپ کی ذات اقدس سراپا نور اور جسم اطہر لطافت کا حسین مرقع تھا۔ کثافت کا وہاں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ (۱۱۳)]

اس کے بعد اس موضوع پر آیت، حدیث اور علماء کے اقوال پیش کیے ہیں اس پر کیفی صاحب نے لکھا ہے:

[مفتی صاحب کی لعنت کی لغویت واضح ہے۔ وہ "نورِ عینِ لطافت" کی لطافت کو سمجھ ہی نہیں سکے (عین) کے معنی "سراپا" جانے کس لغت سے ماخوذ ہے۔ انھوں نے "نور" کا لفظ پڑھا اور اسی تناظر میں آیات و احادیث و اقوال لاتے رہے پھر "لطافت" کے معنی شفاف؟ عربی زبان پر اچھا عبور ہے۔ (۱۱۴)]

ترکیب اگر "نورِ عین" کے بجائے "عینِ نور" کی ہوتی تو اس وقت اس کے معنی "سراپا" کے ہوتے — بہر حال کیفی صاحب نے مفتی محمد خان پر چوٹ تو کی ہے مگر خود بھی عام قارئین کو اس شعر کی لطافت محسوس کرا دینے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ ع

کچھ بات ابھی تو کی نہیں یہ بات کیا ہوئی؟

"لطافت" کثافت کی ضد اور صفت اضافی ہے۔ جس کے معنیٰ "نرمی و نازکی" کے ہیں۔ جس ذات میں یہ صفت پائی جاتی ہے اسے لطیف کہتے ہیں ــــ چونکہ یہ صفت اضافی ہے اس لئے اجسام ایک دوسرے کے اعتبار سے لطیف ہوتے ہیں۔ پھر جسم لطیف کے مختلف حصوں اور اعضاء میں بھی لطیف اور لطیف تر کا فرق ہوتا ہے۔ جاندار اجسام میں "آنکھ" دوسرے تمام اعضاء سے لطیف تر ہوتی ہے۔ اور اس کی "روشنی" کا تو کہنا ہی کیا؟ ــــ شعر کے پہلے مصرع میں امام عشق و محبت نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو لطیف یعنی لطافت سے متصف نہیں کہا ہے۔ بلکہ "لطافت" ہی کو مجسم تصور کر کے اس کے لئے اسی کی مناسب "آنکھ" فرض کیا ہے اور آپ کو لطافت کی اس "آنکھ کا نور" قرار دیا ہے۔

اسی طرح نظافت بھی صفت ہے جس کے معنیٰ "پاکیزگی" کے ہیں۔ جو ذات اس صفت سے متصف ہوتی ہے اسے نظیف کہا جاتا ہے۔ ذات کی زیب و زینت اوصاف سے ہوا کرتی ہے اور اوصاف کے ذریعہ ہی ذات مرتبۂ کمال کو پہنچتی ہے۔ مگر امام عشق و محبت نے یہاں اس کے برعکس یہ فرمایا ہے کہ خود "نظافت" ہی کو آپ کے جسم اقدس سے زیب و زینت ملی ہے اسی نے آپ کے دامن فیض سے لپٹ کر کمال پایا ہے۔

❁❁❁❁

سرِ ناز قدم، مغزِ رازِ حکم
یکہ تازِ فضیلت پہ لاکھوں سلام

اس شعر کے ذیل میں قادری صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔

[آپ کا وجود اقدس قدرت کاشہ کار، اللہ تعالیٰ کے رازوں کا مرکز اور تمام مخلوق پر فضیلت میں سبقت لے جانے میں یکتا و بے مثل ہے۔]

پھر حلیہ مبارک کے تعلق سے پورے تین صفحات میں مختلف کتابوں کے اقتباسات نقل کر دیئے ہیں اس پر جناب کبھی صاحب نے ان لفظوں میں تنقید کی ہے۔

[جس قدر یہ انتہائی خوبصورت تراکیب تھیں مفتی صاحب نے اسی قدر اس کا ستیاناس کیا ہے۔ کاش اعلیٰ حضرت زندہ ہوتے اور ان کی نظر سے یہ تشریح گذرتی'' سرِ ناز قدم'' کی تشریح میں تین صفحے سیاہ کئے ہیں اور ایک لفظ بھی اس سے مطابقت نہیں رکھتا۔ جناب مفتی نے کیا تو یہ کہ شہکار ربوبیت کا جسمانی تناسب تلاش کرتے رہے۔ (۱۱۵)]

''سرِ ناز قدم'' کی ترکیب میں جو حسن پنہاں ہے کبھی صاحب بھی اس کی کوئی جھلک دکھانے کی زحمت سے گریز فرما گئے۔ (۱۱۶)

''سرو'' ایک خوش قامت درخت ہے۔ عشاق، جمال قدِ یار کو نظر میں رکھ کر محبوب کو اس سے کنایہ کرتے ہیں۔ ''سرِ ناز'' سرو ہی کی ایک قسم ہے جس میں دو شاخیں ایک دوسرے کی طرف کچھ خمیدہ خمیدہ سی ہوتی ہیں۔ گویا وہ سرو اپنے اندر دل فریب اور جاں ستاں اداؤں کا ایک جہاں لئے ہوتا ہے۔ (۱۱۷) عشاق کی نظر میں جب جمال قدِ یار کے ساتھ اسکی دل فریب اور جاں ستاں اداؤں کی دنیا بسی ہو، اور وہ ایک ایک ادا پر اپنا مال و متاع، ہوش و خرد، جان و دل اور سارا سرمایۂ حیات قربان کر کے بھی یہ سمجھتے ہوں کہ ؎

آہ بے مائیگیٔ دل کہ رضائے محتاج لے کر اک جان چلا بہر نثار عارض (۱۱۸)

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروروں جہاں نہیں (۱۱۹)

تو اب وہ صرف 'سرو' نہیں بلکہ "سرو ناز" سے کنایہ کرتے ہیں۔
جب عاشق محبوب کے اس ناز و انداز کو تصور میں بسا کر اسے "سرو ناز" سے کنایہ کر رہا ہو، ذہن میں رکھئے اور خداوند قدوس کی، اپنے حبیب سے بیکراں محبتوں کا اندازہ کیجیے کہ آپ خرام ناز فرماتے ہیں تو النجم اذا ھوی (۱۲۰) رکے رہتے ہیں تو وانت حل بھذا البلد (۱۲۱) نگاہیں اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے ہیں تو قد نری تقلب وجھک فی السماء (۱۲۲) اور پیشانی پر بل آجاتا ہے تو عبس و تولی فرماتا ہے۔ (۱۲۳) چادر اوڑھ لیتے ہیں تو یا ایھا المدثر۔ (۱۲۴) جسم اقدس پر بالاپوش ڈال کر سو جاتے ہیں تو یا ایھا المزمل قم اللیل الا قلیلا (۱۲۵) اور تکلم فرماتے ہیں تو وقیلہ (۱۲۶) سے تعبیر کرتا ہے۔ اور اپنی ساری نعمتیں آپ پر نثار کرتے ہوئے فرماتا ہے اتممت علیکم نعمتی۔ (۱۲۷)

ہر رتبہ کہ بود در امکاں بروست ختم
ہر نعمتے کہ داشت خدا بر او شد تمام (۱۲۸)

اگرچہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف کی مثال نہیں کہ وہ لیس کمثلہ شئ ہے۔ پھر بھی تقریب فہم کے لئے امام عشق و محبت نے، خداوند قدوس کی اس بے مثال و بے کراں محبت کو، عاشق جاں باز کی اس وجد آور کیفیت سے، جس میں وہ اپنے محبوب کو "سرو ناز" سے کنایہ کر رہا ہو تشبیہ دیتے ہوئے مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو "سرو ناز قدم" کہا ہے۔

❁❁❁❁

نقطۂ سرِّ وحدت پہ یکتا درود
مرکزِ دورِ کثرت پہ لاکھوں سلام

قادری صاحب نے اس شعر کی تشریح یوں کی ہے:

"نقطہ" خط کی انتہا۔ "سر" راز و بھید "وحدت" اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا "یکتا" بے مثل "مرکز" دائرہ کا وسط "دور" عہد "کثرت" بہتات اس مقام پر حضور علیہ السلام کے دو خصائص مبارکہ: توحید کے سربستہ راز کا نقطۂ آغاز اور تمام حقائق کا اصل اور مرکز ہونے کا تذکرہ ہے۔

نقطہ سرِ وحدت: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے میں ایک مخفی اور سربستہ خزانہ تھا۔ مجھے اس امر سے محبت ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ تمام مخلوق میں سب سے پہلے جس ذات اقدس کو پیدا کیا گیا وہ حضور ہی کی ذات تھی۔ بلکہ احادیث قدسیہ میں یہ بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے حبیب اگر آپ نہ ہوتے تو میں اپنا رب ہونا ظاہر ہی نہ کرتا۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی ان احادیث کے پیش نظر لکھتے ہیں:

سبب ایجاد کائنات محبت ہے اور اس کا مقتضائے اول اور تعین و ظہور اول ذات حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ محبت مقتضائے خداوند جل وعلا ہے اور ذات حبیب کبریا مقتضائے حُب ہے۔ لہٰذا ان ہی سے ظہور ربوبیت ہوا۔ اور وہ رحمۃ اللعلمین بنائے گئے۔ تو اللہ تعالیٰ کی شان رب العلمین کا ظہور شروع ہوا ورنہ یہ صفت ظہور پذیر نہ ہوتی۔ جس طرح کہ ذات کنز مخفی رہتی اگر حب منصۂ شہود پر جلوہ گر نہ ہوتی۔

مرکز دور کثرت: آپ کی ذات اقدس تمام حقائق کائنات کا مبدار

وہ مرکز ہے ۔ ۔ ۔ ۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو فرمایا اے آدم ہم نے تمہاری کنیت ابو محمد رکھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر ان کا وجود نہ ہوتا تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا اور نہ کسی آسمان کو پیدا کرتا اور نہ ہی زمین کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس جبرئیل امین آئے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام دیا۔ اے حبیب اگر آپ موجود نہ ہوتے تو میں جنت کو پیدا نہ کرتا اگر آپ موجود نہ ہوتے تو میں دوزخ کو پیدا نہ کرتا۔ روایت ابن عساکر میں ہے اگر آپ موجود نہ ہوتے تو میں دنیا پیدا نہ کرتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی فرمائی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر محمد نہ ہوتے تو میں نہ آدم کو پیدا کرتا نہ جنت و دوزخ۔ (۱۲۹)

اس پر جناب کیفی صاحب فرماتے ہیں :

اعلیٰ حضرت کے شعر میں نقطہ وحدت اور مرکز دور کثرت کی تراکیب میں ترصیع کے ساتھ ساتھ تلمیح و تضاد کی صنعت کا بخوبی استعمال ہوا ہے پھر اس میں جو ریاضیاتی اصطلاحی تلازم رکھے گئے ہیں وہ نہایت خوبصورت، جاندار اور پُر از حقائق ہیں۔ صرف یہی نہیں اس لحاظ سے مراعاۃ النظیر کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ (نقطہ، مرکز، دور، وحدت، کثرت، یکتا، لاکھوں) یہ سب الفاظ اس جمال افروز وحدت میں منسوق ہوئے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کی علمی انتہاء کے ساتھ ساتھ ذوق شعری کی لطافت پر قلب ایک وجد آور کیفیت سے جھوم اٹھتا ہے اور یہ اعلیٰ حضرت کے ریاضی سے گہرے شغف کی دلیل بنتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مفتی صاحب نے نقطہ کی تعریف کی ہے خط کی انتہا۔ یہ درست ہے کہ " فرہنگ عامرہ " نے بھی یہی لکھا ہے لیکن یہ تعریف مبہم ہے اور اگر اسی تعریف کو مد نظر رکھا جائے تو مفتی صاحب کی تشریح و توضیح غلط ٹھہرے گی اور نقطہ سے مراد اگر خط کی انتہا ہے تو ابتدا

کیوں نہیں ...... حقیقت یہ ہے کہ نقطہ اور خط کی صحیح تعریف تو
ممکن نہیں جیومیٹری میں ہر شکل کو نقاط کا مجموعہ تصور کیا جاتا ہے اور نقاط کو
A.B.C. وغیرہ نام دیئے جاتے ہیں۔ نقطہ کو کاغذ پر ظاہر کرنے کے لئے
چھوٹی سی بندی لگا دی جاتی ہے اس کا BASIC CONCEPT ہمارے
ذہن میں ہوتا ہے مگر امکان میں اس کا تعین ایک بندی (تعین) سے
ہوتا ہے جو تعین اولی ہے۔ اصطلاحات تصوف میں نقطہ سے مراد ذات
بحت ہے مگر یہ لاتعین ہے لاتعریف ہے لاوصف ہے، قید اطلاق سے ماورا
ہے۔ ظہور میں اس کا تعین اولی حقیقت محمدیہ ہے مرتبہ وحدت ہے اور
یہاں نقطہ سر وحدت ہے۔ نقطہ وحدت کو سمجھنے کے لئے اس دائرے پر
غور کیجئے:

اس دائرہ میں قوس بالائی احدیت ہے یعنی وحدت غیر زائدہ علی ذاتہ
...... گویا اس دائرے میں آکر شاہد خلوت غیب الہویۃ نے پہلا تنزل
اطلاق میں فرمایا...... یہی غیب ذات ہے جو احدیت سے موسوم ہے۔
اطلاق کے بعد جو پہلا تعقل ہے جو ہویت اطلاقیہ سے بالکل متصل ہے
وحدت ہے جس کے تحت میں قوس واحدیت ہے۔ احدیت باطن ہے
وحدت ظاہر ...... وحدت ...... یہ ایک جہت سے احدیت سے
متصل ہے اور دوسری جہت سے واحدیت سے، اس میں ذات و صفات
اور ظہور و بطون دونوں شامل ہیں۔ یہ دونوں کی جامع اور دونوں کے درمیان
حد فاصل ہے ...... گویا پورا دائرہ وحدت ہے اسی کو مقام محمدیہ کہتے ہیں۔

اور یہی منشا رہے روح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا۔
کثرت، ذات کے مراتب و ظہور کو کہتے ہیں وحدت حقیقت محمدیہ اور واحدیت، مرتبہ تفصیل اسماء و صفات۔ اس ساری تفصیل کو سمجھنے کے بعد حقیقت کھلتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نقطۂ سرِ وحدت بھی ہیں اور مرکزِ دورِ کثرت بھی ہیں۔ حقیقت محمدیہ کے ایک جانب احدیت ہے تو دوسری جہت تفصیل و کثرت، یہ مقام احدیۃ الجمع ہے۔
مفتی صاحب نے دور کا ترجمہ "عہد" کیا ہے۔ جناب مفتی صاحب نے سر وحدت اور مرکز دور کثرت کے ذیل میں احادیث تو جمع کر دیں مگر ان کا ربط شعر سے نہ کر پائے دور کا ترجمہ عہد کیا اور مرکز کا ترجمہ دائرہ کا وسط . . . .
نقطۂ سر وحدت اور مرکز دور کثرت کو جب تک صوفیانہ تناظر میں نہ دیکھا جائے، نہ سمجھائے ان کا مفہوم واضح نہیں ہوتا اور حضور اقدس والنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان بیان نہیں ہو پاتی۔ (۱۳۰)

دراصل مفتی صاحب اپنے خیالات کو الفاظ کی خشت قبا پہنانے سے قاصر رہے ہیں۔ ورنہ وہ شاید یہ کہنا چاہ رہے ہوں گے کہ جس طرح علم ریاضی کے اصول کے مطابق "نقطہ" پر خط کی انتہا ہو جاتی ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر "سرِ وحدت" یعنی ذات خداوندی کے "کنز مخفی" ہو کر رہنے کی انتہا ہو گئی۔ جس کے بعد وہ سر، سر نہیں رہا۔ عالم شہود میں آگیا۔ جیسا کہ اس مقام پر مفتی صاحب کے احادیث قدسیہ اور مجدد الف ثانی کے ارشاد کو پیش کرنے سے سمجھ میں آ رہا ہے ـــــ اور جس طرح "مرکز" سے ہی "دائرہ" کا وجود ہوتا ہے۔ مرکز کا تعین نہ ہو تو دائرہ خلعت وجود ہی نہ پہن سکے۔ اسی طرح "دورِ کثرت" یعنی عہد کائنات نے آپ ہی کی ذات سے خلعت وجود پایا۔ آپ نہ ہوتے تو وہ نیستی سے منزل ہستی میں نہ آتی۔ جیسا کہ یہاں اس مفہوم کی احادیث قدسیہ کو مفتی صاحب کے نقل کرنے سے سمجھا جا سکتا ہے ـــــ واضح رہے کہ "مرکز" جس سے دائرہ بنتا ہے وہ "نقطہ" ہی ہوتا ہے۔
خط کی ابتدا بھی "نقطہ" سے ہوتی ہے اور انتہا بھی "نقطہ" پر کیونکہ منتہائے خط

اسکی تعریف نہیں، موضع تحقیق ہے ورنہ "نقطہ" اس شئی کو کہتے ہیں جو طول عرض اور عمق کسی جہت میں قابل تقسیم نہ ہو۔ (۱۳۱)

زیریں و بالا دو خطوں میں اسطرح اتصال ہو کہ ان میں امتیاز باقی رہے تو موضع اتصال "نقطہ" ہی ہوگا جو خط بالا کی انتہا اور خط زیریں کی ابتدا ہے جیسے ا

بلاشبہ ذات خداوندی بالا ہے اور کائنات زیریں ــــ ان دونوں میں نقطہ اتصال و امتیاز ذات محمدی ہی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

میں سمجھتا ہوں کہ امام احمد رضا جیسا علم و فن کا ہمالہ اور شریعت و طریقت کے سمندر نے کسی ایک مفہوم کو سامنے رکھ کر "نقطۂ سر وحدت" اور مرکز دور کثرت" کے تراکیب استعمال نہیں کئے ہوں گے یقیناً ریاضی کے اصول اور تصوف کی اصطلاحیں ان کے پیش نظر تھیں انھوں نے ان سب کو ملحوظ رکھ کر ہی ایسی جامع ترکیبیں اختیار کی ہیں، جن کے وسیع دامنوں میں سب آجائیں۔

اصل ہر بود و بہبودِ تخم وجود
قاسم کنزِ نعمت پہ لاکھوں سلام

شمس بریلوی کے نسخے میں "اصل ہر بود و بہبود، تخم وجود" ہے اور ناظم وقادری کے یہاں "اصل ہر بود و بہبود و تخم وجود" ——— کبھی صاحب نے ان دونوں صورتوں کو غلط قرار دے کر "اصل ہر بود و بہبودِ تخم وجود" کی صحت کے لیے یہ استدلال فرمایا ہے۔

ہمارے خیال میں یہاں نہ سکتہ (،) ہونا چاہیئے اور نہ واؤ عاطفہ (و) اس لئے کہ:

۱۔ بود و بہبود کوئی بامعنی ترکیب نہیں بنتی۔

۲۔ "اصل ہر بود" اور "تخم وجود" حقیقت محمدیہ ہے نور محمدی۔ ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳۔ (بود) اور (وجود) یہاں متضاد الفاظ کے طور پر استعمال ہوئے ہیں

بود است و نمود است و دگر چیزے نیست
حق است ہمہ بود جہاں جملہ نمود است

(وجود) یہاں عالم اجسام، عالم شہادت۔ یہ قابل لمس ہے اسے ظاہری آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے یہ عالم ذات کا انتہا ظہور ہے عالم ارواح۔ عالم مثال۔ عالم اجسام، ذات کے مراتب خارجی ہیں۔

۴۔ (بود) مرتبۂ واحدیت، جسے حقیقت آدم بھی کہتے ہیں یہی تخم وجود بھی اور (وجود) حقیقت آدم یعنی اسماء وصفات کا عالم اجسام میں نمودار ہونا۔ اور یہی مرحلہ ہے "بہبود تخم وجود" کا کہ وجود کا تخم افزائش پاکر

ہر سمت جلوہ نما ہوتا ہے۔

اس قرینہ سے مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم "اصل ہر بود" بھی ہیں اور "بہبود تخم وجود" بھی اس پر انا اعطیناک الکوثر بھی شاہد

۵۔ اگر آپ کہیں کہ حضور آیۂ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم (اصل ہر بہبود) بھی ہیں تو اس سے کسی کو انکار نہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم عالم وجود کے لئے منبع خیر و برکت اور وجہ افضال و اکرام ہیں اور "بہبود تخم وجود" بھی اسی طرف مشیر ہے۔

لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم۔ اس مصرع میں اعلیٰ حضرت نے اس آیت کریمہ کے مصداق بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "بہبود تخم وجود" کہا کہ بہبود کے لغوی معنی بھلائی کے بھی ہیں۔

۷۔ اگر شمس و ناظم کے مطابق مصرع پڑھیں تو محض "تخم وجود" الگ ہو کر اپنی معنویت کھو دے گا اور "بہبود" بالکل حشو۔ (۱۳۲)

کعبی صاحب کے شمار کردہ یہ نمبر یا تو جدا جدا سات دلیلوں کی نشاندہی کرتے ہیں یا ایک ہی دلیل کے مختلف مقدمات کی علامتیں ہیں۔

اگر جدا جدا دلیلوں کی نشاندہی کرتے ہوں، تو میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مثلاً (۲) ــــ "اصل ہر بود و بہبود" کوئی بامعنی ترکیب نہیں بنتی" ــــ سے ان کا دعویٰ کیسے ثابت ہو جاتا ہے؟ اسی طرح مثلاً (۳) ــــ "(بود) اور (وجود) یہاں متضاد الفاظ کے طور پر استعمال ہوئے ہیں بود است نمود است و دیگر چیزے نیست۔ حق است ہمہ بود و جہاں جملہ نمود است۔ (وجود) یہاں عالم اجسام عالم شہادت یہ قابل لمس ہے اسے ظاہر آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے یہ عالم ذات کا انتہائے ظہور ہے عالم ارواح عالم مثال عالم اجسام ذات کے مراتب خارجی ہیں" ــــ سے سکتہ اور واؤ عاطفہ کی نفی کیسے ہو جاتی ہے؟

اور اگر ایک ہی دلیل کے مختلف مقدمات کی علامتیں ہوں تو مثلاً (۵) ــــــــ "اگر آپ کہیں کہ حضور آیہ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اصل ہر بود بھی ہیں تو اس سے کسی کو انکار نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم وجود کے لیے منبع خیر و برکت اور وجہ افضال و اکرام ہیں اور بہبود تخم وجود بھی اسی طرف مشیر ہے" ــــــ اسے دلیل کا مقدمہ قرار دینا چہ معنی دارد؟ جبکہ یہ ایک اعتراض مقدر کا جواب ہے ــــــ اسی طرح مثلاً (۷) ــــــ "اگر شمس و ناظم کے مطابق مصرع پڑھیں تو محض تخم وجود الگ ہو کر اپنی معنویت کھو دے گا اور بہبود بالکل حشو ــــــ دلیل کا مقدمہ، یعنی چہ؟

علاوہ ازیں ان کے شمار کردہ (۴) کے مطابق (بود) حقیقت آدم ہوا اور وہی تخم وجود بھی۔ تو پھر وجود سے مراد حقیقت آدم نہیں ہوگی۔ اور اگر وجود سے بھی حقیقت آدم ہی مراد ہو، تو "تخم" کا لفظ قطعاً حشو اور زائد ہو جائے گا۔

حیرت ہے کہ جناب کعبی نے (۳) میں بود، اور وجود، کے متضاد ہونے پر جس شعر سے استشہاد کیا ہے اس میں سرے سے "وجود" کا لفظ ہی نہیں ہے ہاں "نمود" کا لفظ ہے اور "وجود" اور چیز ہے "نمود" اور چیز۔

"بود" اور "بہبود" کے درمیان واو عاطفہ ہے۔ جس میں دو احتمالات ہیں۔

(الف) "بود" معطوف علیہ ہو اور "بہبود" معطوف۔ اور مجموعہ کی اضافت "اصل" کی طرف ہو ــــ اس صورت میں بود اور وجود دونوں سے مراد کائنات ہوگی اور تخم وجود" کے معنی ہوں گے، کائنات کی حقیقت۔ اور "بہبود تخم وجود، کا مطلب ہوگا اس حقیقت کا عالم اطلاق سے عالم تقیید میں آنا، مصرع کا مفہوم یہ ہوگا کہ آپ کائنات کی بھی اصل ہیں اور حقیقت کائنات یعنی اس کے عالم اطلاق سے عالم تقیید میں آنے کی بھی اصل ہیں۔

(ب) صرف "ہر بہبود" کی اضافت "اصل" کی طرف ہو اور "اصل" اضافت کے بعد معطوف علیہ اور "بہبود تخم وجود" معطوف ــــ اس صورت میں بھی "بود" و "وجود" کائنات اور مراتب ظہوری کے معنی میں منسوق ہوئے ہوں گے۔ تخم وجود سے مراد ذات احدیت ہوگی۔ اور

بہبود تخم وجود" کا مطلب ہوگا۔ تنزل و ظہور ذات۔ اب مصرع کا مفہوم یہ ہوگا کہ آپ جسطرح کائنات اور مرتبہ ظہور کی اصل ہیں اسی طرح تخم وجود یعنی ذات احدیت کا ظہور و تعین اول بھی ہیں۔

****

کثرت بعد قلت پہ اکثر درود
عزت بعد ذلت پہ لاکھوں سلام

ہر بے کس و بے نوا پر درود
حرز ہر رفتہ طاقت پہ لاکھوں سلام

جناب ناظم نے اس کی تضمین میں ایک مصرع کہا ہے " کائنات شقا و شفا پر درود" کعبی صاحب نے اس پر بڑی لے دے مچائی ہے اور لفظ "شقا" کے معنی نقل کرنے میں صفحہ کا دو تہائی سے زیادہ حصہ صرف کرنے کے بعد لکھا ہے۔

> ہمارے خیال میں شقا کا کوئی ایسا معنی نہیں جس کا اطلاق حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نسبت پر کیا جا سکے۔ اور (شقا و شفا) کے دو متضاد الفاظ بھی واضح کر رہے ہیں کہ شاعر کی اس سے کیا مراد ہے۔ اس موضوع پر مزید اظہار کے لئے ہم علماء کرام سے مستدعی ہیں۔ کہ وہ ہی اس سلسلے میں بہتر فیصلہ کرنے کے اہل ہیں..... (۱۲۳)

ہر چند کہ ناظم کا مصرع نامانوس وغریب' غلط معنی کا ایہام پیدا کرنے والا اور ناپسندیدہ ہے مگر پھر بھی ناقابل تاویل نہیں۔ خود کعبی صاحب نے " القاموس الجدید" کے حوالہ سے اس کے معنی" نامراد ہونا بدحال ہونا" نقل کیا ہے۔ جس کی روشنی میں مصرع کا مفہوم یہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نامرادوں اور بدحالوں کی کائنات ہیں۔

اس مقام پر کعبی صاحب کے اس تجاہل اور سادگی پر قربان ہو جانے کو جی چاہتا ہے کہ ایک طرف تو وہ علماء کو شعر فہمی سے معذور قرار دے کر ان پر " شعر مرا بمدرسہ کہ برد" کی پھبتی بھی کستے ہیں اور دوسری طرف وہ ناظم کے اس مصرع کے تعلق سے ان کو بہتر فیصلہ کرنے کا اہل بھی قرار دیتے ہیں۔

فتح باب نبوت پہ بے حد درود

ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام

محترم کبھی صاحب کی تحریر سے انکشاف ہوا کہ ناظم صاحب نے پہلے مصرع کو تبدیل کر دیا ہے۔ اور "فتح باب نبوت" کے بجائے "باب فتح نبوت" لکھا ہے۔ جس پر شیخ عطا محمد صاحب، ماہنامہ جہان رضا مجریہ مارچ ۱۹۹۴ء شائع کردہ مجلس رضا لاہور کے صفحہ ۵۸ پر کبھی صاحب سے پہلے ہی اعتراض کر چکے ہیں۔ (۱۳۴)

یہ بظاہر قلم کی لغزش کا کرشمہ ہے۔ ناظم صاحب کے قلم کی لغزش کا کرشمہ ہو یا کاتب صاحب کے قلم کی لغزش کا ــــ لیکن اگر قلم کی لغزش کا کرشمہ نہیں ناظم صاحب کی کارستانی ہے تو ان کی اس کارستانی پر علم و عقل جس قدر سر پیٹے کم ہے۔ کبھی صاحب نے خواہ مخواہ اس کے رد کے لئے ڈیڑھ سے زیادہ صفحات ضائع کئے ہیں۔

وہ کرم کی گھٹا گیسوئے مشک سا — لکۂ ابرِ رافت پہ لاکھوں سلام
لٹ لٹ دل ہر جگر چاک سے — شانہ کرنے کی حالت پہ لاکھوں سلام
چشمۂ مہر میں موج نورِ جلال — اس رگِ ہاشمیت پہ لاکھوں سلام
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا — اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

کیفی صاحب کے بقول جناب ناظم نے چاروں اشعار میں ترمیم کی ہے — پہلے شعر کے دوسرے مصرع میں لفظ "رافت" کو "رحمت" سے بدل دیا ہے۔ (۱۳۵) دوسرے شعر کے مصرعہ ثانی میں "شانہ کرنے کی حالت" کو "شانہ کرنے کی عادت" میں تبدیل کر دیا ہے (۱۳۶) — تیسرے شعر کے پہلے مصرع میں "نورِ جلال" کی جگہ "نورِ جمال" بنا دیا ہے (۱۳۷) چوتھے شعر کے دوسرے مصرع میں "اس جبینِ سعادت" کی جگہ "اس جبینِ شفاعت" کر دیا ہے (۱۳۸)۔

ناظم صاحب کے اس تصرفِ بے جا اور جرأت ناروا پر نفرین و احتجاج میں ہم بھی جناب کیفی صاحب کے ساتھ ہیں۔

"حدائقِ بخشش" کے مروج نسخوں کے مطابق پہلے شعر کے مصرعہ اولیٰ میں "گیسوئے مشک سا" ہے۔ ناظم صاحب کی تضمین، جو کیفی صاحب نے نقل کی ہے اس میں "گیسوئے مصطفےٰ" ہے — ممکن ہے "حسنی پریس" کا نسخہ جس کے تعلق سے کیفی صاحب کو بھی اعتراف ہے کہ "وہ کتابت و طباعت کی غلطیوں سے بالکل مبرا نہیں" اس میں بھی گیسوئے مصطفےٰ ہی ہو۔ لیکن اگر نسخہ حسنی میں "گیسوئے مشک سا" ہے۔ تو کیا ہم اسے جناب کیفی کی طرف سے خاموش تائید سمجھیں؟ کہ انہوں نے اس پر گرفت نہیں کی ہے۔

❁❁❁

ان کی آنکھوں پہ وہ سایہ افگن مژہ
ظلۂ قصر رحمت پہ لاکھوں سلام

جناب بشیر حسین ناظم نے "تضمین" میں لکھا ہے۔

حلقۂ عین میں مثل گلشن مژہ   دیدۂ نور پر ایک چلمن مژہ
چشم حیراں میں ہم شکل گلبن مژہ   ان کی آنکھوں پہ وہ سایہ افگن مژہ

ظلۂ قصر رحمت پہ لاکھوں سلام (۱۳۹)

میرا مقصود براہ راست تضمین سے بحث نہیں ہے لیکن اس تضمین میں دوسرے مصرع کے لفظ "چشم حیراں" نے مجھے حیران کر دیا۔ جن چشمان مبارک کے تعلق سے اللہ تعالیٰ مازاغ البصر وماطغی (۱۴۰) ارشاد فرمائے ان چشمان مبارک کو "حیراں" کہنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ ان چشمان مبارک کا عالم تو یہ ہے کہ:

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات
تو عین ذات می نگری و در تبسمی

چاند سے منہ پہ تاباں درخشاں درود
نمک آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام

تائب صاحب کے بقول اس کے دوسرے مصرع میں عروضی نقص تھا اس لئے ناظم نے اس کے لفظ "نمک" کو "ملیح" سے بدل دیا۔ جس کا کافی سے زیادہ جواب، جناب کبھی نے دے دیا ہے۔ انہوں نے دلائل و براہین کی روشنی میں ثابت کر دیا ہے کہ بشیر و تائب کو یہ اور اس طرح کے بعض دوسرے مصرعوں میں عروضی نقص اس لئے نظر آیا کہ وہ "بحرِ متدارک" کی بیکراں گہرائی میں اتر کر "زحافات" کے صدف سے گوہر "خبن" نکال لانے کی سکت نہیں رکھتے تھے ـــــ اب ایک نئی خامی کا انکشاف اور ہوا ہے۔ آپ ہنسی ضبط کر سکتے ہوں تو کبھی صاحب کی زبانی سنئے :

> محترم اقبال صاحب کی وساطت سے پتہ چلا کہ محترم تضمین نگار کے مطابق "نمک" چونکہ اردو کا لفظ ہے اور آگیں فارسی، اس لئے آگیں کے ساتھ اس کی ترکیب نہیں بن سکتی۔ حسرت موہانی نے اسے عیوب میں شمار کیا ہے اور اعلیٰ حضرت ایسا لفظ استعمال نہیں کر سکتے۔ (۱۴۱)

میرے ہر زخمِ جگر سے یہ نکلتی ہے صدا (۱۴۲) اے ملیح عربی کر دے نمک داں ہم کو

امام احمد رضا کے اس شعر میں شاید "داں" بھی اردو کا لفظ ہے اس لئے نمک کے ساتھ اسکو مرکب کیا ہے اور

زمہر و چرخ بہر خوان جودت (۱۴۳) عجب قرص و نمک داں آفریدند

یہ شعر تو شاید پورا کا پورا اردو زبان ہی میں ہے جس میں نمک کا استعمال ہوا ہے ـــــ
کبھی صاحب نے لفظ "نمک" کو فارسی ثابت کرنے کے لئے کئی صفحات کا خون کیا ہے۔ انہیں چاہئے تھا کہ ناظم کو گلستاں کے پہلے باب سے یہ عبارت پڑھنے کی دعوت دیتے۔

آوردہ اند کہ نوشیرواں عادل را در شکار گاہ صید کباب می کردند و نمک نبود غلام بر روستا دوانیدند تا نمک آرد۔ (۱۴۴)

شبنم باغ حق یعنی رخ کا عرق
اس کی بچی براقت پہ لاکھوں سلام

جسکی تسکین سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

ناظم نے پہلے شعر کے دوسرے مصرع میں لفظ "اس" کو "ان" سے بدل دیا ہے اور دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں "جس" کی جگہ "جن" کر دیا ہے ——— پہلی ترمیم کے تعلق سے کبھی صاحب نے فرمایا ہے۔

[یہاں اس تصرف جابرانہ کی قطعاً گنجائش نہ تھی انھوں نے اس سمت توجہ فرمانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ اعلیٰ حضرت اس شعر میں سلام کی نسبت کس سے کر رہے ہیں اور بے دھڑک تیشۂ ترمیم اس پر دے مارا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود ان کی فکر شعر زخم زخم ہو کر رہ گئی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ مفہوم شاعر سے دور جا پڑے (۱۴۵)]

دوسری ترمیم سے متعلق ان کا ارشاد ہے:

[جناب ناظم نے جس کی جگہ "جن" استعمال کیا ہے۔ حضرت ناظم کی ترمیم اتنی ناروا اور بودی نظر آتی ہے کہ شاعر محترم پر سے علم کا اعتبار اٹھنے لگتا ہے دوسرے مصرع میں اس تبسم کی عادت صاف کہہ رہا ہے کہ مصرعہ اولیٰ میں بھی "اس" کا قرینہ موجود ہے وہ یہ کہ واحد کا واحد کے ساتھ علاقہ بنتا ہے۔]

یہاں بے ساختہ کبھی صاحب سے یہ پوچھنے کو جی چاہتا ہے کہ حضرت! ناظم تو مدرسہ کے مولوی نہیں وہ تو آپ ہی کی نقل کے مطابق تین ایم اے، دو ایم او ایل، ایل ایس، ٹی، ڈی، سی، ایف، پی اور نہ جانے کیا کیا ہیں؟ ہم مولوی کیا سمجھیں ؏

ایں سخن را چہ جواب است تو ہم می دانی

❋❋❋

حجراسود وکعبۂ جان ودل
یعنی مُہرِ نبوت پہ لاکھوں سلام

ناظم نے اس میں ترمیم کر کے یوں لِکھا ہے

حجراسود وکعبۂ جان ودل　　　یعنی مہر نبوت پہ لاکھوں سلام (۱۴۷)

ناظم کی اس ترمیم سے شعریت تباہ ہوگئی، دونوں مصرعوں میں معنوی بے ربطگی کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "حجراسود" کہنا، کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کبھی صاحب کی نقل کے مطابق نیز ہے نسخۂ حسنی میں "مُہر" کی میم پر ضمہ دیا ہوا ہے۔ (۱۴۸) لیکن ضمہ نہ بھی ہوتا تو بھی مصرعہ اولیٰ کے تطابق میں مُہری پڑھا جانا متعین تھا۔ البتہ بات "حجراسود" اور "مہر نبوت" میں قرینۂ مناسبت کے تعیین کی ہے۔ کبھی صاحب فرماتے ہیں۔ (۱۴۹)

> حجراسود اور مہر نبوت میں کئی قرینے موجود ہیں۔ مہر نبوت کیا تھی پہلے اس کا علم ہونا چاہئیے۔
>
> ہر دو شانہ کے درمیان ایک نورانی گوشت کا ٹکڑا تھا، جو بدن شریف کے باقی اجزاے ابھرا ہوا تھا۔ اسے مُہر نبوت یا خاتم نبوت کہتے تھے۔ کتب سابقہ میں آپ کی علامات میں ایک یہ بھی مذکور تھی۔ حلیہ مبارک بیان کرنے والوں نے اس کی ظاہری شکل وصورت کے بیان کرنے میں اسے کئی چیزوں (مثلاً بیضۂ کبوتر، تکمہ، چھپر کھٹ یا گرہ گوشت سرخ وغیرہ) سے تشبیہ دی ہے۔ تاکہ لوگ سمجھ لیں۔ سچ پوچھو تو یہ ایک سرِ عظیم اور نشانِ عجیب تھا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختص تھا۔ جسکی حقیقت کو رب العزت کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔
>
> نبوت را توئی آں نامہ در پُشت　　　کہ از تعظیم دارد مہر بر پُشت

معین واعظ کاشفی ہروی نے مزید وضاحت کی ہے :

> آپ کی پشت مبارک نبوت کی مہر سے مزین تھی۔ نبوت کی مہر کبوتر کے انڈے کی مقدار میں ظاہر تھی جو آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان تھی یہ مہر دائیں کندھے کے بالکل قریب تھی اور اس پر العظمۃ للّٰہ لکھا تھا اور دوسری طرف لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ لکھا ہوا تھا۔ درمیان میں گوشت کا ایک ٹکڑا ابھرا ہوا تھا اور اس پر لکھا ہوا تھا توجہ حیث شئت فانک منصور۔ (۱۴۹)

مذکورہ بالا اقتباسات سے کبھی صاحب نے بتایا تو یہ کہ مہر نبوت کیا چیز تھی ؛ مگر اس بات کی وضاحت نہیں فرمائی کہ حجرِ اسود اور مہرِ نبوت میں وہ کون قرینے کیا ہیں ؟

میری سمجھ کے مطابق حجرِ اسود اور مہرِ نبوت میں حسب ذیل مناسبتیں ہیں۔

(۱) جس طرح حجرِ اسود بوسہ گاہ مسلمین ہے۔ اسی طرح مہرِ نبوت بھی بوسہ گاہ عاشقین تھی خصائص کبریٰ میں ہے :

عن جابر بن عبد اللّٰہ قال اردفنی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم خلفہ و جعلتُ فمی علی خاتم النبوۃ فجعل ینفح علی مسکا۔ (۱۵۰)

جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ حضور نے سواری پر مجھے اپنے پیچھے بٹھالیا تو میں نے مہرِ نبوت کو چوم لیا اس سے مشک کی خوشبو آرہی تھی۔

خود امام احمد رضا فرماتے ہیں :

بوسہ گہ اصحاب وہ مُہر سامی
وہ شانۂ چپ میں اسکی عنبر فامی
یہ طرفہ کہ ہے کعبۂ جان و دل میں
سنگ اسود نصیب رکن شامی (۱۵۱)

(۲) جس طرح حجرِ اسود کا رنگ سیاہ ہے۔ اسی طرح مہرِ نبوت کا رنگ بھی حضرت عائشہ صدیقہ کے بقول سیاہ مائل بہ زرد تھا۔

عن عائشۃ قالت کان خاتم النبوۃ

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مہر نبوت اس

كـالمة سوداء تضرب الى الصفرة - (١٥٢) سیاہ تل کی طرح تھا جو مائل بہ زرد ہو۔

حجرِ اسود ہی کے تعلق سے کعبی صاحب نے لکھا ہے۔

> حجرِ اسود اپنی جداگانہ حیثیت میں وہ اہمیت اور قدر و منزلت نہیں رکھتا جب تک خانۂ کعبہ سے منسوب اور وہاں منصوب نہ ہو..... (١٥٣)
>
> حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حجرِ اسود سے کہا خدا کی قسم میں خوب جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی نہ دیتا..... (١٥٤)
>
> محض حجرِ اسود ہی حج کا باعث ہوتا۔ برکت کا سبب ہوتا تو لوگ حجرِ اسود کو حج کی اصل بنیاد گردان لیتے اور جہاں حجرِ اسود ہوتا وہیں حج کرنے جاتے لیکن ایسا نہیں۔ (١٥٥)

جناب کعبی کی اس عبارت نے مجھے عقیدہ کے رخ سے چونکا دیا ہے۔ شاید کعبی صاحب کو معلوم نہیں کہ حضرت عمر کی یہ بات سن کر مولائے کائنات رضی اللہ عنہ نے کیا فرمایا؟ اور اس کے بعد پھر کیا ہوا؟

فتح القدیر میں ہے:

روى الحاكم حديث عمر رضى الله تعالىٰ عنه وزاد فيه وقال على بن ابى طالب رضى الله عنه بلى يا اميرالمؤمنين يضر و ينفع ولو علمت تاويل ذالك من كتاب الله لعلمت انه كما اقول قال الله تعالىٰ واذ اخذ ربك من بنى آدم من ظهورهم ذريتهم واشهدهم على انفسهم الست بربكم قالوا بلىٰ فلما اقروا انه رب

یہ حدیث حاکم نے بھی روایت کی ہے جس میں اتنا اضافہ ہے کہ حضرت عمر کی یہ بات سنکر مولائے کائنات نے فرمایا امیر المؤمنین! یہ پتھر ضرور ضرر رساں اور نفع بخش ہے۔ آیت کریمہ واذ اخذ ربکم من بنی آدم الآیۃ کی تفسیر شاید آپ کے علم میں نہیں ورنہ آپ بھی وہی فرماتے جو میں کہہ رہا ہوں اس کی تفسیر یہ ہے کہ جب ارواح نے روز

عزوجل وانہم العبید کتب میثاقہم فی رق والقمہ فی ھذ الحجر وانہ یبعث یوم القیمۃ ولہ عینان ولسان و شفتان یشہد لمن وافاہ فہو امین اللہ تعالیٰ فی ھذ الکتاب فقال لہ عمر رضی اللہ عنہ لا ابقانی اللہ بارض لست بہا یا ابا الحسن۔ (۱۵۶)

الست خدا کی ربوبیت اور اپنی عبودیت کا اقرار کر لیا تو خدا نے اس عہد و پیمان کو ایک قابل کتابت شئی پر لکھ کر اس پتھر کے اندر رکھ دیا قیامت میں یہ پتھر آنکھ، زبان اور ہونٹوں کے ساتھ اٹھے گا اور گواہی دے گا کہ کس نے خدا سے کیا ہوا یہ عہد نبھایا۔ تو یہ پتھر اس میثا پر خدائی امانت دار ہے یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا۔ اے ابوالحسن! خدا مجھے اس زمین پر زندہ نہ رکھے جس پر آپ نہ ہوں۔

رہا یہ کہ ــــ "محض حجر اسود ہی حج کا باعث نہیں" ــــ اس سے کسی کو انکار نہیں مگر کیا وہ برکت کا بھی سبب نہیں؟ جناب کیفی کا یہی خیال ہے، جو درست نہیں۔ جن دنوں قرامطہ[1] نے حجر اسود کو خانۂ کعبہ سے الگ کر کے اپنے یہاں رکھا۔ ان دنوں بھی حجر اسود مقدس و متبرک ہی رہا۔ اس سے اس کے مقدس و متبرک ہونے میں فرق نہیں آیا۔ کیونکہ اس کے مقدس و متبرک ہونے کی بنیاد خانۂ کعبہ سے منسوب اور اس میں منصوب ہونا نہیں ہے۔ خدانہ کردہ کبھی کعبہ کی عمارت نہ رہے تو بھی حجر اسود اتنا ہی مقدس و متبرک رہے گا، جتنا اب ہے۔ حالانکہ وہ اس وقت خانۂ کعبہ میں منصوب نہیں ہو گا۔ اس لئے واقعۂ قرامطہ کی تفصیل بیان کرنے میں کیفی صاحب نے تقریباً ایک صفحہ بلاوجہ سیاہ کیا ہے۔

اور حیرت بالائے حیرت تو یہ ہے کہ کیفی صاحب نے بخاری کے حوالہ سے مذکورہ بالا حدیث عمر نقل کی تو اس میں مذکور "فاستلمہ (یہ کہہ کر عمر نے اسے چوم لیا) کا ترجمہ ہی چھوڑ دیا، جو خود ان کی زبان میں شاید تحریف ہے۔

---

[1] قرامطہ ایک بے دین فرقہ تھا جس نے حجر اسود کو خانۂ کعبہ سے الگ کر کے مدتوں اپنے ہاں رکھا تھا۔ منہ

جسمیں نہریں ہیں شیر و سحر کی رواں
اُس گلے کی نضارت پہ لاکھوں سلام

جناب شمس کی مرتبہ "حدائق بخشش" میں یہ شعر اس طرح ہے۔

جسمیں نہریں ہیں شیر و شکر کی رواں اس گلے کی نضارت پہ لاکھوں سلام (۱۵۷)

کبھی صاحب کے بقول "حسنی پریس بریلی" اور "رفاہ عام پریس آگرہ" کے مطبوعہ نسخوں میں "شیر و شکر" کے بجائے "شیر و سحر" ہے اور ان کے نزدیک یہی مناسب ہے۔ جس کی تفصیل وہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

> شیر کے ساتھ اگر سحر تلفظ جس طرح آرہا ہے قائم رکھا جائے اور "سحر" کے معنی میں نہ لیا جائے بلکہ صبح کے معنی میں سمجھا جائے تو پھر بھی اس میں قرینہ موجود ہے جس طرح شیر (دودھ) سفید مظہر نور لطافت اور پاکیزگی کی علامت ہے اسی طرح سحر (صبح) تیرگی کو زائل کرتی ہوئی روشنی تازگی اور نئی زندگی کی۔ اور یوں شیر و سحر میں ہر لحاظ سے ایک مناسبت قائم ہے۔۔۔۔۔
> اور شیر و سحر اور گلے کی نضارت کے مابین علاقہ موجود ہے اس لئے یہاں شیر و سحر ہی مناسب ہے۔ (۱۵۸)
> اگر اس کو "سحر" کے معنی میں لیا جائے تو اس کے معنی فصاحت و بلاغت کا نہایت اعلیٰ معیار ہوگا۔ خوش بیانی ایسی کہ ہر ایک کو مسحور کر دے اور شیر کے ساتھ آکر اپنی پاکیزگی و لطافت کا اظہار کر رہا ہے۔۔۔۔
> اگر یہ اعتراض اٹھایا جائے کہ اس سحر کا تلفظ "ح" ساکن کے ساتھ ہے اور

یہاں سحر پڑھا جا رہا ہے تو اس کی دو توضیحات ہیں۔

(۱)۔ اُردو میں بہت سے ایسے عربی الفاظ مستعمل ہیں جن کا ماضی مفتوح العین ہے

(۲)۔ یہ درست ہے کہ اُردو میں عموماً اس کا تلفظ اس طرح نہیں آتا لیکن ولی دکنی کے یہاں اس کی مثال بھی ملتی ہے جس میں سحرؔ کو سحَر کے تلفظ پر باندھا گیا ہے ؎

کریں گے بحث اس انکھیاں کے جادو کی سحر سازاں
نہ پہنچے کوئی باریکی میں کاجل کے معانی کوں

(۳)۔ مومن خاں مومنؔ نے بھی شمرؔ کو شمَر نظم کیا ہے ؎

دل ایسے شوخ کو مومن نے دیدیا کہ وہ ہے
محب حسین کا اور دل رکھے شمَر کا سا (۱۵۹)

ع۱ سوال یہاں صرف تیرگی کو زائل کرتی ہوئی روشنی، تازگی اور نئی زندگی کا نہیں، بلکہ سحر کے ساتھ اس کی ترکیب اور آواز کو سحَر (صبح) کہنے کا ہے۔

ع۲ بلیغ کلامی و خوش بیانی دوسری چیز ہے اور خوش آوازی دوسری چیز۔ کلام و بیان کا تعلق زبان سے ہے اور آواز کا تعلق گلے سے۔ یہاں زبان کی بات نہیں گلے کی بات ہے۔ البتہ سحر سے خوش آوازی مراد ہو تو مناسبت ہوگی اور آواز کا جادو جگانا محاورہ بھی ہے۔ مگر اس میں سحر کا تلفظ یعنی "حا" کا سکون آڑے آتا ہے۔ کبھی صاحب نے اس کی توجیہہ کے سلسلے میں یہ فرما کر کہ "اردو میں بہت سے ایسے عربی الفاظ مستعمل ہیں جن کا ماضی مفتوح العین ہے"۔ اُردو لغت کی دنیا میں ایک ایسے وسیع باب کا اضافہ کیا ہے، جس سے "قتل و ضرب" جیسے کتنے ہی الفاظ "قتَل" اور "ضرَب" — بنکر اردو میں در آئیں گے اور زبان کا خزانہ بیک مرحلہ ہزاروں الفاظ سے معمور ہو جائے گا — ادب کی یہ وہ خدمت ہے جس کی توفیق کبھی صاحب کے سوا آج تک کسی کو نہیں ہوئی۔

مومن خاں مومن نے "شمر" کو "شمَر" لکھ دیا ہے تو اس سے ہر سہ حرفی ساکن

الوسط اسم متحرک الوسط نہیں ہو جائے گا۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

> کوئی عیب لفظی خواہ معنوی ایسا نہیں جس کی مثال اساتذہ کے کلام سے نہ دی گئی ہو اس سے نہ وہ جائز ہو جاتا ہے نہ عیب ہونے سے باہر آتا ہے نہ اس میں ان کی تقلید روا ہو، ائمہ محققین مثل امام ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ تصریح فرماتے ہیں "کہ ان کا باندھنا بے پرواہی پر محمول ہوگا کہ قادر سخن تھے۔ (۴)

ولی دکنی نے "سحر" کو بفتح "حا" لکھا ہے تو غلط نہیں لکھا ہر چند کہ یہ لفظ اکثر بسکون "حا" مستعمل ہے مگر بفتح "حا" بھی جائز ہے۔ تاج العروس میں ہے۔

وقد یحرک مثال نَہْر و نَہَر لمکان حرف الحلق۔ (۱۶۱)

سحر میں دوسرا حرف حلقی ہونے کی وجہ سے "حا" کو متحرک کر کے "سحَر" بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ جیسے نہر اور نہَر دونوں پڑھا جاتا ہے۔

❊❊❊❊

جس کے ہر خط میں ہے موج نور کرم
اس کف بحر ہمت پہ لاکھوں سلام

اس کے تحت کبھی صاحب نے لکھا ہے۔

[جناب شمس بریلوی نے اعلیٰ حضرت کے مصرعِ اولیٰ کو از سرِ نو ترتیب دیا ہے ان کی مرتبہ حدائق بخشش میں یہ مصرعہ اس طرح سے ہے ——
جس کے ہر خط میں موجِ کرمِ نور کی]

پھر کبھی صاحب نے پورا ایک صفحہ تتابع وتوالی اضافات کی بحث میں صرف کر دیا ہے۔
یہ صحیح ہے کہ شمس کی مرتبہ حدائق بخشش جس کی طباعت اور پروف ریڈنگ کا فریضہ انھوں نے انجام نہیں دیا ہے، اس میں یہ مصرعہ اسی طرح ہے۔ مگر "تحقیقی اور ادبی جائزہ" میں شمس نے مصرع کو اصل کے مطابق:

جس کے ہر خط میں ہے موج نور کرم (۱۶۴)

ہی لکھا ہے۔ اس لئے جناب شمس کو حتمی طور پر تحریف کا مرتکب نہیں قرار دیا جا سکتا۔ جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں —— "موج نور کرم" —— الگ فقرہ ہے۔ اور —— "اس کف بحر ہمت" —— الگ —— پھر یہ کہ دونوں فقرے الگ الگ مصرعوں میں ہیں۔ اس لئے یہاں تتابع اضافات کی بات صادق ہی نہیں آتی۔
کبھی صاحب نے اس مقام پر یہ بحث چھیڑ کر عام قارئین پر اپنی ہمہ دانی کا خارجی دباؤ ڈالنا چاہا ہے۔

✻✻✻✻

زرع شاداب ہر ضرع پرتیر سے
برکات رضاعت پہ لاکھوں سلام

جناب ناظم نے دوسرے مصرع میں تحریف کی ہے اور " برکات رضاعت" کے بجائے " انتقائے رضاعت " بنایا ہے اس پر کیبی صاحب نے لکھا ہے۔

انتقا .... مذہب انتقا کا یونانی طبیب ...... بڑی حد تک ارداحیت کی طرف مائل تھا اور یہ فلاسفہ یونان پروناگوراس اور فیثا غورث کے نظریات پر مشتمل، جس میں ہندومت کی فکر بھی شامل ہے جو سراسر اسلام کی بنیادی تعلیمات سے متصادم ہے ویسے بھی فلسفہ کوئی بھی ہو تشکیک سے جنم لیتا ہے اور ایمان یقین سے ابھرتا ہے۔ تو کیا جناب ناظم انتقا کا لفظ استعمال کر کے OCCIDENTALISTS اور ORIENTALISTS کے من گھڑت قصوں کا جواز پیدا کرنے کی کوشش تو نہیں کر رہے ہیں ؟ (۱۶۷)

ہر چند کہ جناب ناظم کی یہ تحریف غلط و بے جا ہے لیکن جناب کیبی جو اس کا ڈانڈا OCCIDENTALISTS اور ORIENTALISTS کے من گھڑت قصوں کا جواز پیدا کرنیکی کوشش سے ملائے دے رہے ہیں یہ مناسب نہیں۔

بھائیوں کیلئے ترک پستان کریں
دودھ بیتیوں کی نصفت پہ لاکھوں سلام

شیخ عطا محمد صاحب نے مارچ ۱۹۹۴ء کے "جہان رضا" میں یہ سوال اٹھایا تھا کہ جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دودھ پلانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گود لیا، تو ان کے یہاں ایک شیر خوار بچہ تھا، جو آپ کا دودھ شریک بھائی ہوا۔ اور اسی کے لئے آپ ایک پستان ترک فرما دیتے۔ اس لئے صحیح لفظ بھائی ہے یا بھائیوں ہے؟ صحت کی جانی ضروری ہے۔ اس کے جواب میں کبھی صاحب نے فرمایا ہے۔

اعتراض بغیر تحقیق کر دیا ہے ان کی اس وضاحت کے لئے ہمیں سیرت کی کتب کا مطالعہ مفید و امداد گار (؟) ہو سکتا ہے۔ دیکھیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگار کیا کہتے ہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے بعد تین چار دن تک آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو دودھ پلایا پھر آپکے چچا ابولہب کی آزاد کردہ کنیز ثویبہ نے پھر حضرت حلیمہ سعدیہ،

شرفائے مکہ کا دستور تھا کہ اپنے بچوں کو جب کہ وہ آٹھ دن کے ہو جاتے تھے دودھ پلانے والیوں کے سپرد کر کے کسی اچھی آب و ہوا کے مقام پر بھیج دیا کرتے۔ چند روز آپ کو آپ کے چچا ابولہب کی کنیز ثویبہ نے دودھ پلایا پھر عبد المطلب نے اپنے یتیم پوتے کے لئے (جن سے زیادہ اپنی اولاد میں ان کو کوئی محبوب نہ تھا) دیہات کی کسی دودھ پلانے والی کی تلاش شروع کی۔

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت سے آپ کے رضاعی بھائی

بہنوں کے نام یہ دیئے ہیں۔ عبداللہ، انیسہ اور خزامہ، جن کا اصلی نام شیما تھا۔ لیکن خزامہ کے نام کا غلبہ ان کے اصلی نام پر ہو گیا اور وہ اپنے خاندان میں اسی نام سے مشہور ہو گئی تھیں یہ سب حلیمہ بنت ذویب کے بچے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار رضاعی بھائی بہن تھے جن کے نام یہ ہیں عبداللہ، انیسہ، حذیفہ اور خزامہ جو شیما کے لقب سے مشہور تھیں۔ ان میں سے عبداللہ اور شیما کا اسلام لانا ثابت باقیوں کا حال معلوم نہیں۔ کنز العمال ج ۲، ص ۲۴۶، حدیث ۳۹۱۲ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ حمزہ کی صاحبزادی سے نکاح کا پیغام کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے جواب میں فرمایا حمزہ میرے دودھ شریک بھائی ہیں۔

مفتی عبدالعزیز تحریر فرماتے ہیں:

جب سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم بطون سے عالم ظہور میں تشریف لائے تو تین یا سات دن اپنی والدہ ماجدہ کا دودھ پیا۔ بعدازاں ثویبہ ابولہب کی لونڈی نے چند روز دودھ پلایا۔ اس طرح جناب سید الشہدا حمزہ اور ابوسلمہ مخزومی اور عبداللہ بن جحش اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی ہوئے کیوں کہ ان تینوں نے بھی ثویبہ کا دودھ پیا تھا۔

جمہور اصحاب سیرت وتاریخ رحمہم اللہ اس امر پر متفق ہیں کہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد سب سے پہلے جس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا وہ ابولہب کی کنیز ثویبہ تھی انہی نے اپنے بیٹے مسروح نامی کے ساتھ دودھ پلایا سید الشہداء حمزہ، مسروح، ابوسلمہ مخزومی عبداللہ

بن جحش اسدی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان اخوت رضاعیہ اس وجہ سے تھی کہ تمام ثویبہ کے پستان سے دودھ پیا تھا۔

حضرت شیخ عبدالحق دہلوی تحریر فرماتے ہیں :

اما اخوۃ رضاعیہ یکے حمزہ عم اوست۔ دیگرے ابوسلمہ بن عبدالاسد زوج ام سلمہ، مادر او برہ بنت عبدالمطلب عمۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیشتر داد ایشاں را۔ وآنحضرت را ثویبہ جاریہ ابولہب بشیر پسر خودش مسروح بن ثویبہ بتفاوت چہار سالہ۔ نخست حمزہ را داد و بعد از وے آنحضرت را و بعد ازاں بعبداللہ بن عبدالاسد و ابوسفیان بن الحارث بن عم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم است بشیر داد اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم را حلیمہ سعدیہ و اولاد حلیمہ سعدیہ ہمہ اخوۃ و اخوات اند۔

مولانا مودودی لکھتے ہیں :

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ابتداً چند روز تک ابولہب کی لونڈی ثویبہ کا دودھ پیا۔ بخاری ومسلم میں ہے کہ اسی کا دودھ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلے شوہر) نے بھی پیا تھا۔ ابن سعد اور ابن ہشام کا بیان ہے کہ حضرت حمزہ اور حضرت عبداللہ بن جحش (ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے بھائی نے بھی اس کا دودھ پیا تھا۔ اس لئے یہ حضرات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جوان ہونے کے بعد ہمیشہ ثویبہ کے ساتھ حسن سلوک فرماتے رہتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شادی ہونیکے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اس کی تکریم اور اس کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرتی رہتی تھیں۔ ..... ۷ ہجری میں آپ کو اس کی وفات کی خبر ملی تھی آپ نے اس کے بیٹے مسروح کا حال دریافت کیا۔ جس نے

آپ کے ساتھ دودھ پیا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ بھی مرگیا اور اس کا دنیا میں کوئی باقی نہ رہا۔

ان تمام روایتوں کو جمع کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک سے زیادہ رضاعی بھائی تھے۔ اور اعلیٰ حضرت کا، بھائیوں کا لفظ استعمال کرنا بالکل درست اور تحقیق پر مبنی ہے۔ (۱۶۵)

شیخ عطا محمد صاحب کے بیان کا یہ حصہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ ــــ "حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلانے کے لئے آپ کو گود لیا، تو ان کے یہاں ایک شیر خوار بچہ تھا جو آپ کا دودھ شریک بھائی ہوا" ــــ صرف یہ ثابت کرنا باقی رہ جاتا ہے کہ ــــ "حلیمہ سعدیہ کے اس بچہ کے علاوہ بھی کبھی اور کسی بچے نے آپ کے ساتھ دودھ پیا تھا" ــــ اور اس کا ثبوت کبھی صاحب کے مذکورہ بالا اقتباسات کے ان حصوں سے ہو جاتا ہے۔

(الف) جمہور اصحاب سیرت وتاریخ رحمہم اللہ اس پر متفق ہیں کہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد سب سے پہلے جس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا، وہ ابولہب کی کنیز ثویبہ تھی اس نے اپنے بیٹے مسروح نامی کے ساتھ دودھ پلایا تھا۔

یا

(ب) اما اخوات رضاعیہ یکے حمزہ عم اوست۔ دیگرے ابوسلمہ بن عبدالاسد زوج ام سلمہ، مادر او برہ بنت عبدالمطلب عمۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیشتر داد وایشاں را وآنحضرت را ثویبہ جاریہ ابولہب بشیر پسر خودش مسروح بن ثویبہ بتفاوت چہار سالہ۔

(ج) آپ نے اس کے بیٹے مسروح کا حال دریافت کیا جس نے آپ کے ساتھ دودھ پیا تھا۔

باقی عبارتیں نقل کر کے کبھی صاحب نے خواہ مخواہ کتاب کے صفحات میں اضافہ کیا ہے۔ جو

خود ان ہی کے لفظوں میں ـــــ " اپنے سیاق و سباق سے غیر متعلق اور بے محل ہے " ـــــ

اور اگر شیخ کے بیان کا یہ حصہ بھی ثبوت طلب ہو، تو کبھی صاحب ہے کے منقولہ اقتباسات میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس سے اس کا ثبوت ہو جاتا ہو۔ کیونکہ ۹ کتابوں کے اقتباسات سے تین صفحات پُر کر کے کبھی صاحب نے یہ دکھایا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعدد رضاعی بھائی بہن تھے۔ جن میں سے مسروح بن ثویبہ نے آپ کے ساتھ دودھ پیا تھا۔ مسروح بن ثویبہ کے علاوہ بھی کبھی کسی بچے نے آپ کے ساتھ دودھ پیا تھا؟ اس کا کچھ پتہ نہیں۔

متعدد رضاعی بھائی بہن ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ متعدد بھائیوں نے ہی ساتھ میں دودھ پیا ہو۔ کوئی شخص چار عورتوں کا دودھ پیئے اور ہر عورت کے دو دو بچے اور دو دو بچیاں ہوں مگر ساتھ میں بچیوں نے ہی دودھ پیا ہو، تو اگرچہ اس شخص کے کئی رضاعی بھائی اور بہنیں ہوں گی، مگر ساتھ میں دودھ پینے والا بھائی کوئی نہ ہوگا۔ حضرت حمزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے مگر انھوں نے ساتھ میں دودھ نہیں پیا تھا۔

ساتھ میں دودھ پینے والے بھائی کا وجود ثابت کرنے کے لئے مدارج النبوۃ، جو کبھی صاحب کے مطالعہ میں رہی ہے، اور جس کا حوالہ انھوں نے اسی مقام پر دیا ہے، اسکی یہ عبارت

ابن عباس گفت کہ حق تعالیٰ درابتدائے حال اورا الہام عدالت کرد و انصاف نگاہ داشت کہ اورا شریکے است کہ پسر کہ حلیمہ باشد حلیمہ می گویند پس ازاں زمان حال آنحضرت ایں بود کہ یک پستان را برائے برادر رضاعی خود نگاہ داشتے۔

(۱۹۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آپکو ابتدائی حالت ہی میں عدل و انصاف ملحوظ رکھنے کا الہام فرما دیا تھا۔ اور آپ جانتے تھے کہ ایک ہی پستان کا دودھ آپکا ہے کیونکہ حلیمہ کا ایک اپنا لڑکا بھی ہے۔ حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ ایک پستان کو حضور اپنے رضاعی بھائی کے لئے چھوڑ دیا کرتے تھے۔

یا

خصائص کبریٰ وغیرہ سے مندرجہ ذیل قسم کی کوئی عبارت نقل کر دینے کی ضرورت تھی۔

حضرت حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں:

فقد مت علی اتان لی ومعی صبی لنا۔ لا یجد لی ثدی مایغنیہ....... فقدمنا بمکۃ...... فاخذتہ فما ھو الا ان اخذتہ فجئت بہ رحلی فاقبل علیہ ثدیای بما شاء من لبن فشرب حتی روی وشرب اخوہ و روی..... (۱۶۷)

میں اپنے بچے کے ساتھ اونٹنی پر سوار مکہ کی راہ چل پڑی اس وقت میرا یہ حال تھا کہ پستانوں کا دودھ اسی ایک بچہ کے لئے ناکافی ہوتا تھا۔ بہرحال میں مکہ پہنچی پھر حضور کو لیکر قیام گاہ آئی تو میرے پستان دودھ سے لبریز ہو چکے تھے جس سے آپ نے سیراب ہو کر پیا اسکے بعد آپکے رضاعی بھائی نے پیا تو وہ بھی آسودہ ہو گیا۔

یحیٰی بن یزید سعدی کہتے ہیں:

فاخذتہ فی حجرھا فاقبل ثدیا حتی تقطر لبنا فشرب اخوہ وکان اخوہ لاینام من الغرس۔ (۱۶۸)

جب حلیمہ نے آپکو گود میں لیا تو ان کے پستان دودھ سے لبریز ہو گئے لگ رہا تھا ٹپک جائے گا تو پہلے آپ نے پھر آپ کے بھائی نے دودھ پیا حالانکہ پہلے آپ کے بھائی بھوک کے مارے سو نہیں پاتے تھے۔

مگر کعبی صاحب نے یہ زحمت اٹھانا گوارہ نہیں فرمایا۔

✲✲✲

❋

روز گرم و شب تیرہ و تار میں کوہ و صحرا کی خلوت پہ لاکھوں سلام
نرمی خوئے لینت پہ دائم درود گرمیٔ شان سطوت پہ لاکھوں سلام

ناظم نے پہلے شعر کے مصرعہ اولیٰ میں اور دوسرے شعر کے مصرعہ ثانیہ میں ترمیم کی ہے ۔۔۔ "روز گرم و شب تیرہ و تار" ۔۔۔ کو ۔۔۔ "راز گرم و شب تیرہ و تار" ۔۔۔ اور ۔۔۔ "گرمیٔ شان سطوت" ۔۔۔ کو ۔۔۔ "گرمیٔ شان و شوکت" ۔۔۔ لکھا ہے۔ (۱۶۹)

جناب کعبی نے ناظم کا تعاقب کیا ہے اور صحیح گرفت کی ہے۔

❋❋❋

کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی

آنکھوں والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام

جناب شمس کی مرتبہ حدائق بخشش میں ایسا ہی ہے۔ البتہ ان کی تضمین میں مصرعہ ثانی بدل کر — "آنکھ والے کی ہمت پہ لاکھوں سلام" — ہو گیا ہے۔

کعبی صاحب نے اس پر صحیح تنقید کی ہے۔

[آنکھ والے اس میں اگر ایک طرف شوخی ہے تو دوسری طرف تکلف کا پہلو بھی نکلتا ہے جو سراسر ادب کے خلاف ہے۔ (۱۷۰)]

ناظم نے بھی اس مصرعہ میں ترمیم کی ہے اور — "آنکھوں والوں کی ہمت" — کو — "آنکھ والوں کی ہمت" — بنا دیا ہے۔ کعبی صاحب نے ان کی بھی گرفت کی ہے لکھتے ہیں:

[آنکھ والوں پر غور کیا جائے تو اس میں بھی ایک قباحت ہے کہ شاید اس سے ایک آنکھ والے مراد ہوں اور یہ بھی توہین ہے۔ (۱۷۱)]

"آنکھ والے" — اعلیٰ حضرت، جس آنکھ والے کی ہمت پہ لاکھوں سلام بھیج رہے ہیں وہ شمس کے نزدیک، کعبی صاحب کی تشریح کے مطابق، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذات اقدس ہے لکھتے ہیں:

[جناب شمس بریلوی نے ...... تضمین کرتے وقت اس مصرع کو تبدیل کر دیا۔ ع: آنکھ والے کی ہمت پہ لاکھوں سلام
اور آنکھ والے، انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذات اقدس کو نظر میں رکھتے ہوئے کیا۔]

میں نہیں سمجھتا کہ شمس صاحب جناب کعبی کی تشریح سے راضی ہوں گے۔

"آنکھوں والوں" ـــــــ اعلیٰ حضرت جن آنکھوں والوں کی ہمت پہ سلام بھیج رہے ہیں وہ جناب کبھی کے نزدیک اصالۃً و بالذات حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اور بالتبع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس بھی اس میں شریک ہے۔ لکھتے ہیں:

> آنکھوں والوں اس لئے بھی ضروری ہے کہ جمع کا صیغہ ہے اور اشارہ دو عظیم الشان، الوالعزم رسولان کرام کی جانب .... مضمون کا تسلسل صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام تک ہی نہیں مشاہدہ انوار الٰہی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس واطہر بھی شریک ہے۔ (۱۷۳)

اصطلاح کی زبان میں اسی کو "قلب موضوع" کہتے ہیں کہ مقصود تھا، صاحب مازاغ البصر و ماطغیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں سلام بھیجنا، مگر برعکس ہو گیا۔ سوچتا ہوں اس مقام پر کبھی صاحب کی نذر خود ان کے کون سے الفاظ کروں؟

> جس قدر یہ خوبصورت تراکیب تھیں ..... صاحب نے اسی قدر اس کا ستیاناس کیا ہے۔ کاش اعلیٰحضرت زندہ ہوتے۔ (۱۷۴)
>
> **یا**
>
> ..... کے ترجمہ و تشریح پر نگاہ ڈالیں تو شعر مرا ..... کہ بردکی صداقت میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا ہے عام طور پر ..... کو شعر فہمی سے معذور سمجھا گیا ہے اور یہ بات ..... سے ایک بار پھر ثابت ہو گئی ہے۔ (۱۷۵)

"آنکھ والے" ــــ یا ــــ "آنکھوں والے" ـــــ کے صیغوں میں جن نقائص کی نشاندہی کبھی صاحب نے کی ہے انہیں نقائص سے احتراز کے لئے امام عشق و محبت نے تعظیماً ـــــ "آنکھوں والوں" ـــ استعمال کیا ہے اور اس سے عین ذات خداوندی کے دیکھنے والے، صاحب مازاغ البصر و ماطغیٰ کی ذات اقدس مراد لی ہے۔ وہ اس سلام میں ہی چند اشعار پہلے بھی ایسا ہی کہہ چکے ہیں:

بھائیوں کے لئے ترک پستان کریں ‏ ‏ ‏ ‏ "دودھ پیتوں" کی نصفت پہ لاکھوں سلام

اور یہ صرف نظم ہی میں نہیں۔ نثر میں بھی اس طرح کے مواقع پر ان کے حسنِ ادب نے ان کو ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

وہ محبوب اجل و اکرم و خلیفہ اللہ الاعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب دودھ پیتے تھے گہوارہ میں چاند ان کی غلامی بجالاتا۔ جدھر اشارہ فرماتے اسی طرف جھک جاتا۔ حدیث میں ہے سیدنا عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما عم مکرم سید اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضور سے عرض کی مجھے اسلام پر باعث حضور کے ایک معجزہ کا دیکھنا ہوا۔ رائیتلک فی المھد تناغی القمر وتشیر الیہ باصبعک فحیث اشرت الیہ مال۔

میں نے حضور کو دیکھا حضور گہوارہ میں چاند سے باتیں فرماتے جس طرف انگشت مبارک سے اشارہ کرتے چاند اسی طرف جھک جاتا۔۔۔۔۔ جب دودھ پیتوں کی یہ حکومت قاہرہ ہے تو اب کہ خلافۃ الکبریٰ کا ظہور عین شباب پر ہے۔ آفتاب کی کیا جان کہ ان کے حکم سے سرتابی کرے۔ (۱۷۶)

❋❋❋❋❋

پارہائے صحف غنچہائے قدس
اہل بیت نبوت پہ لاکھوں سلام

شمس کی مرتبہ "حدائق بخشش" میں بھی یہی ہے مگر جناب ناظم نے طرز املا بدل کر ——— "پارہ ہائے صحف، غنچہ ہائے قدس" ——— لکھا ہے۔ اس پر کبھی صاحب فرماتے ہیں۔

> اعلیٰ حضرت کے کلام کو جدید اور موجود رسم املا میں لکھنے کا آغاز تو جناب شمس بریلوی نے کر دیا تھا مگر ناظم بھی ان سے کسی طرح پیچھے نہیں کسی زبان و ادب کی تاریخ جب زمانی اعتبار سے مرتب ہوتی ہے تو ادوار کی ترتیبا قدیم و جدید میں خط امتیاز کا بہت بڑا عنصر اس عہد کا طرز املا ہوا کرتا ہے اور شمس و ناظم نے اس بات کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے لیکن اس شعر میں جو تبدیلی کی گئی ہے۔ خیال رہے کہ اسے کلام رضا میں نقص سمجھکر روا رکھا گیا ہے۔" (۱۷۷)

اس خاص مصرع کی تبدیلی پر بشیر حسن ناظم کے ساتھ ساتھ جناب شمس کو بھی گھسیٹنے سے کسی اور نظریہ کی غمازی ہو رہی ہے۔

حسن مجتبیٰ سید الاسخیار
راکب دوش عزت پہ لاکھوں سلام

شمس وناظم دونوں کے یہاں مصرعہ اولیٰ میں لفظ ــــ "حسن" ــــ سے پہلے ــــ "وہ" ــــ کے اضافہ سے مصرع کی صورت یہ ہوگئی ہے۔ ع :

"وہ حسن مجتبیٰ سید الاسخیار"

اس پر کیفی صاحب نے لکھا ہے :

[حسن مجتبیٰ میں خاص بات یہ رکھی گئی تھی کہ مرکب اضافی ہے اور اسمیں اضافت ابنی (؟) بنتی ہے اس لحاظ سے مجتبیٰ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی صفاتی نام ہے اور امام حسن رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل .... (۱۷۸)]

یعنی مجتبیٰ اور سید الاسخیار، یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفاتی نام کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ امام حسن کے اوصاف کے طور پر نہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ 'مرکب توصیفی' ماننے سے کیفی صاحب کے لئے کیا چیز رکاوٹ کا باعث بنی؟ جب کہ جس تناظر میں یہ شعر منسوق ہوا ہے، وہ مرکب توصیفی ہی کا متقاضی ہے۔

منزل من قصب لا نصب لا صخب
ایسے کوشک کی زینت پہ لاکھوں سلام

ناظم صاحب کو تو جیسے تبدیل کرنے کا مرض ہو۔ انھوں نے یہاں بھی پہلے مصرع کی صورت بگاڑ کر ''منزلِ من قصب لا نصب لا صخب'' ـــــ کر دیا۔ اس پر کیفی صاحب نے ان کا تعاقب کیا ہے اور بجا کیا ہے۔ (۱۷۹)

٭٭٭

جس میں روح القدس بے اجازت نہ جائیں
اس سرادق کی عصمت پہ لاکھوں سلام

جناب شمس کی حدائق بخشش میں یہ شعر اسی طرح ہے مگر کبھی صاحب کے بقول نسخہ حسنی میں مصرعِ اولیٰ کا پہلا لفظ "جس" کی جگہ "جن" ہے۔ یعنی "جن میں روح القدس بے اجازت جائیں"

اور اس کی توجیہہ کبھی صاحب یہ کرتے ہیں:

سرادق اسم جمع ہے اور اس کے استعمال کی دو صورتیں ہیں اگر تمام سراپردوں کی مجموعی بات ہو تو سرادق واحد مستعمل ہوگا اور اگر جدا جدا پیش نظر تو اب ضمیر اشارہ جمع آئے گی۔ (۱۸۰)

اعلیٰ حضرت جب پہلے مصرع میں "جن میں" سرادق کے ساتھ جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں تو اس وقت ان کی نظر سراپردوں پر ہوتی ہے جو امہات المومنین کے دیوار و در پہ لٹکے رہتے تھے۔ (۱۸۱)

اور جب وہ اس سرادق میں اسم اشارہ واحد حالت میں استعمال کرتے ہیں تو اس وقت ان حضرات کی نسبت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتی ہے۔ (۱۸۲)

جناب شمس نے مصرعہ اولیٰ میں "جن" کے بجائے "جس" کر دیا تاکہ اس کے مطابق درست لفظ لایا جا سکے لیکن اس سے معنوی طور پر ایک نقص پیدا ہوتا نظر آتا ہے اس سے یہ اشتباہ رونپذیر ہوتا ہے کہ شاید یہ مقام و مرتبہ صرف کسی ایک زوج مطہرہ کو حاصل ہے حالانکہ ایسا نہیں اس بلند منصب کا شرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اعلیٰ سے سبھی ازواج مطہرات کو حاصل ہے۔

نسخہ حسنی کے تعلق سے خود کبھی صاحب کو بھی اعتراف ہے کہ وہ کتابت و طباعت کی غلطیوں

سے مبرّا نہیں ـــــــ صورت حال یہ ہے تو جب تک کسی لفظ کے سلسلے میں ایسے مضبوط قرائن نہ ہوں جن سے ثابت ہو جاتا ہو کہ امام احمد رضا نے اس لفظ کو اسی صورت میں لیا ہو گا دوسرے راجح امکانات کی موجودگی میں اس پر حتمی طور پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

(۱) سرادق اسم جمع نہیں بلکہ اسم مفرد ہے قرآن کریم کے ارشاد وانا اعتدنا للظالمین نارا احاط بھم سرادقھا کے تحت تفسیر جمل میں ہے" قال الراغب السرادق، فارسی معرب ولیس فی کلامھم اسم مفرد ثالث حروفہ الف بعدھا حرفان الاھذا اھ وفی المختار السرادق مفرد والجمع سرادقات الذی یمد فوق صحن الدار وکل بیت من کرسف ای قطن فھو سرادق یقال بیت مسردق اھ (۱۸۴)

(۲) امام عشق و محبت امام حسین کی بارگاہ میں سلام پیش کر کے امہات المومنین کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں :

اہل اسلام کی مادرانِ شفیق
بانوانِ طہارت پہ لاکھوں سلام

جلوہ گیانِ بیت شرف پر درود
پردہ گیانِ عفت پہ لاکھوں سلام

امہات المومنین کو سلام پیش کرنے کے بعد تخصیص بعد التعمیم کے طور پر بالخصوص حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بارگاہ میں عقیدتوں کا خراج پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

سیما پہلی ماں کہف امن و اماں
حق گذار رفاقت پہ لاکھوں سلام

عرش سے جس پہ تسلیم نازل ہوئی
اس سرائے سلامت پہ لاکھوں سلام

منزل من قصب لانصب لاصخب
ایسے کوشک کی زینت پہ لاکھوں سلام

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر سلام بھیجنے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بارگاہ میں حاضری دیتے ہیں اور عرض کرتے ہیں۔

بنت صدیق آرام جانِ نبی
اس حریم برأت پہ لاکھوں سلام

یعنی ہے سورۂ نور جس کی گواہ
ان کی پر نور صورت پہ لاکھوں سلام

جن میں روح القدس بے اجازت نہ جائیں
اس سرادق کی عصمت پہ لاکھوں سلام

اس لئے یہ متعین ہے کہ امامِ عشق و محبت یہاں جس سرادق میں روح القدس کے بے اجازت نہ جانے کی بات کہہ رہے ہیں اور جس کی عظمت پہ سلام بھیج رہے ہیں وہ حضرت عائشہ صدیقہ ہی کا سرادق ہے۔ تمام ازواجِ مطہرات کے سرادق یہاں ملحوظ نہیں۔

جب سرادق اسم مفرد ہے اور یہاں اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کا سرادق مراد ہے تو اس کے لیے ضمیرِ واحد "جس" ہی مناسب ہے خصوصاً جبکہ دوسرے مصرع میں "اس" واحد لایا گیا ہے ——— کبھی صاحب کے بقول نسخۂ حسنی میں "جس" کے بجائے "جن" ہے تو اسے کیوں نہ کتابت کی غلطی پر محمول کر لیا جائے؟

جناب کبھی نے سرادق کو اسم جمع قرار دے کر واحد و جمع دونوں صورتوں میں اس کے استعمال کی جو بات کہی ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ لفظ سرادق اسم جمع نہیں۔ اور اگر اسم جمع فرض بھی کر لیا جائے تو یہ قاعدہ اسم جمع کے تعلق سے نہیں اسم جنس کے تعلق سے ہے۔

❊❊❊

تر جمان نبی ہم زبان نبی
جان شان عدالت پہ لاکھوں سلام

یہاں بھی ناظم نے ترمیم کا تیشہ چلایا ہے اور ـــــ "جان شان عدالت" ـــــ کو ـــــ
جان نثار رسالت" ـــــ کر دیا ہے۔ کبھی صاحب نے ان پر تنقید کی ہے مگر اس سلسلے میں
کبھی صاحب کی مندرجہ نو سطر عبارتیں غیر متعلق اور محض بھرتی کی ہیں۔

[کئی احکام خداوندی واضح طور پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عین خواہش کے مطابق نازل ہوئے۔ اسیران بدر، شراب کی ممانعت، ازواج مطہرات کے حجاب کا مسئلہ، آیات قرآنی اس بات کی شاہد ہیں کہ جیسا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چاہتے تھے ویسا ہی خداوند قدوس نے پسند فرمایا۔

" ان کی رائے کا مختلف مواقع پر قرآن کے ارشاد سے یہی تطابق تھا اور ان کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور امت کے لئے یہی جذبہ خیر سگالی تھا۔ جس نے انھیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہوں میں اس درجہ پسندیدہ اور قابل ترجیح شخصیت بنا دیا تھا۔۔۔ ایک بار حضرت عمر نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عمرہ کی اجازت چاہی اور کہا کہ میں عمرہ کے لیے پیدل جاؤں گا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں اجازت دیدی۔ لیکن جب وہ چلنے لگے تو بلوا بھیجا اور کہا میرے بھائی اپنی نیک دعاؤں میں مجھے بھی شریک رکھنا ۲۹" (۱۸۵)]

قطب ابدال وارشاد رشد الرشاد
محی دین وملت پہ لاکھوں سلام

شمس صاحب کی مرتبہ "حدائق بخشش" میں کتابت وطباعت کی بے شمار غلطیوں کی وجہ سے یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، کہ خود شمس صاحب نے واو عطف کا اضافہ کر کے مصرع کی صورت یہ کر دی ہے ؏ " قطب وابدال وارشاد ورشد الرشاد" یا کاتب صاحب کی مہربانیوں سے ایسا ہو گیا ہے ؛ مفتی صاحب نے " قطب وابدال، اہل طریقت کے درجات ہیں" (۱۸۶) کہہ کر رجسٹری کر دی ہے کہ ان کے نزدیک "قطب" اور "ابدال" کے درمیان واو عطف ہے۔

بشیر ناظم نے " قطب وابدال، ارشاد ورشد الرشاد" لکھا ہے۔ کبھی صاحب نے سب کی تردید کی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ صحیح " قطب ابدال وارشاد" ہی ہے۔ خود امام اہلسنت نے فرمایا ہے:

قطب ابدال بھی ہے محور ارشاد بھی ہے۔ مرکز دائرہ سر بھی عبد القادر (۱۸۷)

فتاوی رضویہ سے بھی یہی واضح ہے۔ فرماتے ہیں

حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالی عنہ افضل الاولیا، و سید الافراد و قطب ارشاد ہیں۔ (۱۸۸)

جس کی منبر ہوئی گردن اولیار — اس قدم کی کرامت پہ لاکھوں سلام

سید آل محمد امام الرشد — گل روض ریاضت پہ لاکھوں سلام

زیب سجادہ سجاد نوری نہاد — احمد نور طینت پہ لاکھوں سلام

ناظم نے پہلے شعر کے مصرعہ اولیٰ میں ـــــ "منبر ہوئی" ـــــ کو ـــــ "منبر بنی" ـــــ سے بدل دیا ہے۔ دوسرے شعر کے دونوں مصرعوں میں کرم فرمائی کی ہے ـــــ پہلے مصرع میں "سید" کی دال ساکن جو آل کے ہمزہ سے مل کر متحرک بالفتح تھی اس پر کسرہ دیدیا ہے اور مصرعہ ثانی میں ـــــ "گل روض" ـــــ کو ـــــ "ورد روض" ـــــ بنا دیا ہے تیسرے شعر میں بھی دونوں ہی مصرعوں کو ترمیم کا نشانہ بنایا ہے اور شعر کی صورت یوں کر دی ہے۔

زیب سجاد سجادہ نور نہاد — احمد پاک طینت پہ لاکھوں سلام

پروفیسر کبھی نے سنجیدہ تنقید کے ذریعہ ترمیم کی غلطیوں کو اجاگر کیا ہے۔ اور صحیح فرمایا ہے کہ اس طرح دوسرے اور تیسرے شعر کے مصارع اُولیٰ وزن سے خارج ہو گئے ہیں۔ (۱۸۹)

در درج نجف، مہر برج شرف
رنگ رومی شہادت پہ لاکھوں سلام

جناب شمس کی مرتبہ "حدائق بخشش" میں بھی یہی ہے۔ ناظم نے دوسرے مصرع میں لفظ "رومی" کو "روئے" بنادیا ہے۔ جو قطعاً صحیح نہیں ——————— کبھی صاحب کے نزدیک یہ لفظ "رومی" ہی ہے جو یا تو "صہیب رومی" سے ماخوذ ہے یا "شنگرف رومی" سے، اور یہ کنایہ ہے "سرخ رنگ" سے وہ لکھتے ہیں :

[رنگ رومی سرخ رنگ سے کنایہ اور در درج نجف میں بھی اس دلالت کا التزام ہے اور شاہ گلگوں قبا میں بھی "رومی" صہیب روم سے ماخوذ ہے یا شنگرف رومی" سے صہیب رومی سے اس لئے کہ جب وہ ہجرت کر کے آرہے تھے تو کفار نے سب ساز وسامان ان سے لوٹ لیا اور امام عالی مقام کی ہجرت الی اللہ اور شہادت میں یہ قرینہ موجود ہے۔ اور در "درج نجف" کی مناسبت "شنگرف رومی" اور پھر "رنگ رومی شہادت" میں ہے۔ (۱۹۰)]

رنگ رومی صہیب روم سے ماخوذ ہو تو یہ "لٹا پٹا ہونے سے کنایہ ہوگا نہ کہ "سرخ رنگ" سے۔ البتہ "شنگرف رومی" سے ماخوذ ہو تو "سرخ رنگ" سے کنایہ ہو سکتا ہے مگر یہ کنایہ بعید ہی نہیں بعید ترین ہے۔

روم کے رہنے والے عموماً سرخی مائل ہوتے ہیں اور ان کا چہرہ بڑا روشن ہوتا ہے۔ اسی لئے "رنگ رومی سرخ و روشن سے کنایہ ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں : ؎

رومی غلام دن، حبشی باندیاں شبیں ❊ گنتی کنیز زادوں میں شام و سحر کی ہے

مفتی صاحب نے درج کے معنی "بلند مینار" لکھا ہے (۱۹۱) جو صحیح نہیں اور نہ ہی "موتی" سے اس کی کوئی مناسبت ہے۔

ایک میرا ہی رحمت میں دعویٰ نہیں
شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام

شمس ونانظم دونوں نے "رحمت میں" کے بجائے "رحمت پہ" لکھا ہے۔ کیفی صاحب نے تقریباً تین صفحات سیاہ کر کے لفظ "میں" کے مختلف معنی اور مستعملات دکھائے ہیں (۱۹۲) جن میں سے کسی ایک استعمال میں بھی اس کی ترکیب لفظ "دعویٰ" کے ساتھ نہیں ہے۔ اس طرح خواہ مخواہ انھوں نے اپنے اوقات، محنت اور اوراق سب کو ضائع کیا ہے۔

دراصل لفظ "دعویٰ" مختلف معنوں میں مستعمل ہے۔ ادعا، ملکیت، قبضہ، طلب وخواستگاری وغیرہ لیکن کس مقام پر کون سے معنی مراد ہوں گے اس کا تعین متعلقات سے ہوگا۔

دعویٰ عموماً تین طرح استعمال میں آتا ہے

(۱) اضافت کے ساتھ (۲) پہ کے ساتھ (۳) میں کے ساتھ

اضافت کے ساتھ استعمال ہو تو اس کے معنی "ادعا" کے ہوتے ہیں

دیکھ انکے ہوتے نازیبا ہے دعوئ نور کا
مہر لکھ دے یاں کے ذروں کو مچلکہ نور کا (۱۹۳)

ان کے آگے دعویٔ ہستی رضا
کیا بکے جاتا ہے یہ ہر بار ہم (۱۹۴)

"پہ" کے ساتھ استعمال ہو تو اس کے معنی ملکیت، استحقاق اور قبضہ کے ہوتے ہیں سے

دعویٰ ہے سب سے تیری شفاعت پہ بیشتر
دفتر میں عاصیوں کے شہا انتخاب ہوں (۱۹۵)

تیری رحمت پہ تیری نعمت پہ ہر
میرا دعویٰ ہے احمد نوری (۱۹۶)

بحروبر، شہروقریٰ سہل وحزن دشت وچمن
کون سے چک پہ پہنچتا نہیں دعویٰ تیرا (۱۹۷)

"میں" کے ساتھ استعمال ہو تو اس کے معنی طلب وخواستگاری اور مانگنے کے ہیں۔

ان کی امت میں بنایا انہیں رحمت بھیجا
یوں نہ فرما کہ ترا رحم میں دعویٰ کیا ہے (۱۹۸)

یہاں اضافت کی صورت سے بحث نہیں کہ گفتگو "پہ" اور "میں" کے تعلق سے ہے

اگر رحمت پہ دعویٰ ہو تو شعر کا مفہوم یہ ہوگا کہ حضور کی رحمت پر صرف میری ہی ملکیت،

قبضہ یا استحقاق نہیں بلکہ ہر امت کی ملکیت، قبضہ یا استحقاق ہے۔

اور اگر "رحمت میں دعویٰ" ہو تو شعر کا مفہوم یہ ہوگا کہ حضور کی رحمت کا طلبگار وخواستگار

صرف میں ہی نہیں بلکہ ساری امت ہے۔
پہلا مفہوم بداہتہً مناسب نہیں اس لئے متعین ہو جاتا ہے کہ یہ مقام "پہ" کا نہیں "میں"
کا ہے اور شعر کی صحیح صورت یہ ہے۔

ایک میرا ہی رحمت میں دعویٰ نہیں
شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام

❀❀❀❀❀

تذئیل

محترم پروفیسر منیر الحق کعبی نے لکھا ہے :

ہم نے شمس و ناظم کی ترمیمات کا جائزہ لیتے ہوئے۔ "حسنی پریس بریلی" کے مطبوعہ نسخہ کو پیش نظر رکھا ہے۔ یہ نسخہ اس اولین نسخہ کے مطابق ہے جو حسن رضا بریلوی کا مرتبہ اور مطبعہ حنفیہ پٹنہ سے طباعت یافتہ ہے اسی نسخہ کو بنیاد بنا کر تقابلی جائزہ لیا ہے کہ یہی قدیم ترین نسخہ ہمارے دست رسا میں تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں کتابت کی غلطیاں نہیں۔ (۱۹۴)

کعبی صاحب نے حدائق بخشش حصہ دوم کے جس قدیم ترین نسخہ پر اپنی کتاب کی بنیاد رکھی ہے۔ اس مقالہ کی تدوین کے وقت میرے لئے اس کا حصول ممکن نہیں ہوا اس لئے لاچار کعبی صاحب ہی کی نقل پر اعتماد کرتے ہوئے کلام کیا۔۔۔ مگر اب خلاف توقع مخلص گرامی قدر جناب ڈاکٹر فاروق احمد صاحب، پروفیسر شعبہ اردو بہار یونیورسٹی کی وساطت سے کعبی صاحب کا وہ قدیم ترین نسخہ مطالعہ میں آیا۔ تو حسب ذیل انکشافات ہوئے۔

(۱) کعبی صاحب نے صحیح فرمایا ہے کہ یہ نسخہ بھی کتابت کی غلطیوں سے مبرا نہیں۔

(۲) نقل میں طرز املا کی تبدیلی اگر جرم ہے تو کعبی صاحب بھی اس جرم سے بری نہیں۔

(۳) حدائق بخشش حصہ دوم کے تعلق سے یہ بات قرین قیاس نہیں کہ "وہ حسن رضا بریلوی کا مرتبہ اور مطبعہ حنفیہ پٹنہ سے طباعت یافتہ ہے"۔ بلکہ یہی نسخہ اولین نسخہ ہے جسے استاد زمن حضرت حسن رضا بریلوی کے صاحبزادے حضرت مولانا حسنین رضا خاں نے پہلی بار

حسنی پریس بریلی میں چھاپا اور شائع کیا ہے اور اخیر میں یہ نوٹ دیا ہے۔

[ناظرین کرام
اس حصہ میں تمام وہ نظمیں جمع کر دی گئیں ہیں جنکی خود حضور پر نور نے نظم و ترتیب کے وقت وصیت فرمائی تھی۔ ابھی بڑا حصۂ کلام کا باقی ہے۔ جو حضور پر نور کے بچپن کا کلام ہے۔ اور دیگر مشاغل علمیہ کے سبب سے حضور پر نور اس پر نظر ثانی نہ فرما سکے۔ میں اس کلام کو شائع کر کے یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ان کا بچپن دوسروں کے شباب سے بہت بڑھ چڑھ کر تھا۔ لہذا حضور پر نور کے متوسلین و مخلصین سے درخواست ہے کہ وہ اس معاملہ میں میری رہبری فرمائیں۔]

ریاست بہاول پور سے جناب محمد یار صاحب واعظ نے امام احمد رضا کی خدمت میں ۹ر شعبان ۱۳۳۴ھ کو یہ استفتا بھیجا کہ

["بعض لوگوں نے قصیدہ معراجیہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دولہا سے تشبیہ دینے پر اعتراض کیا ہے"۔]

امام احمد رضا نے اس کے جواب میں ایک مفصل فتوی تحریر فرمایا۔ جو فتاوی رضویہ جلد ۶ میں صفحہ ۱۹۸ سے شروع ہو کر ۲۰۲ پر منتہی ہوا ہے۔

اسی طرح دانا پور بہار سے محمد حنیف خاں صاحب نے ۸ر شعبان ۱۳۳۹ھ کو امام احمد رضا کی خدمت میں یہ استفتا بھیجا کہ "جس طرح مولوی اسمٰعیل دہلوی نے "تقویۃ الایمان" نامی کتاب میں ہر چھوٹی و بڑی مخلوق کو اللہ کے آگے چمار کے مثل قرار دیا ہے۔ اسی طرح بعض غیر مقلدین کے بقول حضرت "مخدوم بہار" نے بھی دنیا اور اہل دنیا کو مینگنی کی طرح کہا ہے"۔ اس لئے اگر مولوی اسمٰعیل دہلوی کو بارگاہ رسالت کا مجرم قرار دیا جاتا ہے تو حضرت مخدوم بہاری بھی اس کی زد میں آتے ہیں۔

امام احمد رضا نے اس کے جواب میں "مجیب العوار عن مخدوم بہار" نامی رسالہ کی

تصنیف فرمائی ـــ یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ ج ۶ میں ص ۳۰۷ سے شروع ہو کر ص ۳۱۴ پر منتہی ہوا ہے۔

دونوں جوابات کی تخلیق میں زمانی اعتبار سے پورے پانچ سال کا فرق ہے، ساتھ ہی دونوں کے موضوعات بھی جداگانہ ہیں ـــ ممکن ہے کہ کسی ناشر نے "عجب العوارعن مخدوم بہار" شائع کیا ہو تو اس کے ساتھ پہلے فتویٰ کو بھی ضم کر دیا ہو۔ اور اسی انضمام کے پیش نظر معارف رضا جناب ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے "حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی" ص ۱۹۱ کے حاشیہ پر لکھا ہو۔

> "اسی طرح ۹ ر شعبان ۱۳۳۴ھ کو سابق ریاست بہاول پور سے ایک صاحب نے لکھا کہ بعض لوگوں نے آپ کے قصیدۂ معراجیہ کے ان اشعار پر اعتراض کیا ہے۔ جن میں بیت اللہ کو دولہن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دولہا سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مولانا بریلوی نے اس کے جواب میں اپنے موقف کی تائید میں ۱۶ ر کتابوں کے حوالے پیش کر کے ثابت کیا کہ آثار و اخبار میں بیت اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عروس سے تشبیہ دی گئی ہے۔
> (احمد رضا خاں عجب العوار عن مخدوم بہار مطبوعہ لاہور ص ۲۰ - ۲۹)۔

مگر جناب کعبی محترم ڈاکٹر مسعود احمد کی "حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی" کے مذکورہ بالا حوالہ سے لکھتے ہیں:

> "اسی طرح قصیدہ معراجیہ میں اعلیٰ حضرت نے بیت اللہ کو دولہن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دولہا سے تشبیہ دی تو اس قرینے پر اعتراض کیا گیا اعلیحضرت نے اس کے جواب میں عجب العوار عن مخدوم بہار" تصنیف فرمائی، الخ ص ۴۳"۔ (۱۹۲)

بشیر ناظم نے اپنے استاذ جناب حفیظ تائب کو "کشتۂ تیغ مودتِ آل سید الوریٰ" لکھا ہے ـــ عبارت کی سجع آرائی و قافیہ پیمائی اور سیاق و سباق اس کے واضح قرینے ہیں۔

> "از عندلیب چمنستان رسالت ـــ طوطی باغ نبوت ـــ قائد نعوت نگاراں ـــ امیر کشور درد شعاراں ـــ استاد وقت

خوش رخت وخوش بخت ــــــ مقبول ومنظور بارگاہ مصطفےٰ ــــــ
کشتۂ تیغ مودت آل سید الوریٰ ــــــ قتیل دشنۂ محبت اولیا
ــــــ خالی از معائب ــــــ جناب پروفیسر حفیظ تائب"۔

مگر کتابت کی غلطی سے مودت کے بعد کوما کے اضافہ سے اس طرح لکھا گیا ہے "کشتۂ تیغ مودت، آل سید الوریٰ" اس پر جناب کبھی لکھتے ہیں :

"ہمارے علم کے مطابق جناب حفیظ تائب خاندان سادات سے نہیں اور آل سید الوریٰ کہہ کر انھیں اولاد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بنانے کی کوشش کی ہے"

فارسی کا مقولہ ہے۔ عاقلاں راپئے نکتہ باید دوید ــــــ مگر پروفیسر کبھی کا عالم یہ ہے کہ وہ یہاں نکتہ ہی نہیں کوما کے پیچھے بھی ڈنڈا لئے دوڑ رہے ہیں۔

بخاری شریف میں مذکور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ارشاد "اللہ ھو السلام ومنہ السلام وعلیٰ جبرئیل السلام۔ کا ترجمہ مفتی صاحب نے کیا ہے۔

"اللہ سراپا سلام ہے سلامتی وہی عطا کرنے والا ہے اور جبرئیل پر سلام ہو۔"

سراپا کے معنی ہیں "سر سے پیر تک" اس لئے اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ "سراپا" کا اطلاق حرام ہے "غصہ، جو عموماً غضب کے معنی میں مستعمل ہے امام احمد رضا نے خدا کے لئے اس کے اطلاق کو ناجائز قرار دیا ہے۔ بلکہ عاشق جو محب کے معنی میں متبادر ہے اس کے اطلاق کو بھی روا نہیں رکھا ہے ــــــ پتہ نہیں مفتی صاحب نے کیسے خداوند قدوس کے لئے سراپا کا اطلاق کردیا ہے ؟

★★

حوالہ جات

۱ سلام رضا تضمین و تفہیم اور تجزیہ ص ۷۷
۲ 〃 〃 〃 ص ۲۵
۳ 〃 〃 〃 ص ۲۶
۴ 〃 〃 〃 ص ۲۷
۵ 〃 〃 〃 ص ۱۳
۶ 〃 〃 〃 ص ۵۵، ۵۶
۷ 〃 〃 〃 ص ۴۳
۸ 〃 〃 〃 ص ۱۹
۹ 〃 〃 〃 ص ۱۹
۱۰ 〃 〃 〃 ص ۲۸
۱۱ 〃 〃 〃 ص ۱۷۴
۱۲ 〃 〃 〃 ص ۱۸۴
۱۳ 〃 〃 〃 ص ۲۷، ۲۸
۱۴ 〃 〃 〃 ص ۴۳
۱۵ 〃 〃 〃 ص ۲۲
۱۶ 〃 〃 〃 ص ۱۷۴
۱۷ 〃 〃 〃 ص ۱۸۴، ۱۸۵
۱۸ 〃 〃 〃 ص ۹۰
۱۹ سلام رضا تضمین و تفہیم اور تجزیہ ص ۱۰۱
۲۰ 〃 〃 〃 ص ۱۲۹
۲۱ 〃 〃 〃 ص ۱۳۱
۲۲ 〃 〃 〃 ص ۱۳۹، ۱۴۰
۲۳ 〃 〃 〃 ص ۱۴۹
۲۴ 〃 〃 〃 ص ۱۵۱
۲۵ 〃 〃 〃 ص ۱۵۵
۲۶ 〃 〃 〃 ص ۱۶۰
۲۷ 〃 〃 〃 ص ۱۶۶
۲۸ 〃 〃 〃 ص ۱۷۶
۲۹ 〃 〃 〃 ص ۱۷۷
۳۰ 〃 〃 〃 ص ۱۸۰
۳۱ 〃 〃 〃 ص ۱۸۱
۳۲ 〃 〃 〃 ص ۱۸۱
۳۳ 〃 〃 〃 ص ۱۸۲
۳۴ 〃 〃 〃 ص ۱۸۲
۳۵ 〃 〃 〃 ص ۱۸۷
۳۶ کلام رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ ص ۱۵

۳۷ کلام رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ ص ۱۵، ۱۶

۳۸ ، ، ، ص ۳۴

۳۹ ، ، ، ص ۵۹

۴۰ حدائق بخشش کامل ص ۱۸۶

۴۱ کلام رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ ص ۳۲

۴۲ ، ، ، ص ۴۱

۴۳ ، ، ، ، ص ۳۰

۴۴ ، ، ، ص ۵۴

۴۵ ، ، ، ص ۶۲

۴۶ حدائق بخشش کامل ص ۲۱۳

۴۷ کلام رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ ص ۶۱

۴۸ حدائق بخشش کامل ص ۲۰۹

۴۹ کلام رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ ص

۵۰ حدائق بخشش کامل ص ۹

۵۱ کلام رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ ص ۳۲

۵۲ ، ، ، ، ص ۱۹۰

۵۳ ، ، ، ص ۱۲۵

۵۴ حدائق بخشش کامل ص ۲۲۵

۵۵ کلام رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ ص ۶۴

۵۶ حدائق بخشش کامل ص

۵۷ کلام رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ ص ۱۶

۵۸ ، ، ص ۶۰

۵۹ کلام رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ ص ۶۰

۶۰ ، ، ، ص ۲۲۰

۶۱ ، ، ،

۶۲ سلام رضا تضمین و تفہیم اور تجزیہ ص ۸۹

۶۳ ، ، ، ص ۱۶۶ تا ۱۶۸

۶۴ شرح سلام رضا ص ۵۹

۶۵ سلام رضا تضمین و تفہیم اور تجزیہ ص ۷۷

۶۶ ، ، ، ص ۷۹

۶۷ الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ ص ۱۸۰

۶۸ ترجمہ ص ۱۸۱

۶۹ قرآن کریم سورہ بقرہ آیت ص ۲۱

۷۰ قرآن کریم سورہ رحمٰن آیت ۲ ص ۲

۷۱ تفسیر صاوی ج ص

۷۲ قرآن کریم سورۂ بقرہ آیت ۱۳۰

۷۳ خزائن العرفان

۷۴ تفسیر جلالین ص ۱۷

۷۵ قرآن کریم سورۂ اعراف آیت ۱۴۴

۷۶ خزائن العرفان

۷۷ تفسیر جلالین ص ۱۳۹

۷۸ قرآن کریم سورۂ آل عمران آیت ۱۴۴

۷۹ خزائن العرفان

۸۰ تفسیر جلالین ص ۴۷

۸۱ قرآن کریم سورۂ آل عمران آیت ۲
۸۲ خزائن العرفان
۸۳ تفسیر جلالین ص ۴۹
۸۴ قرآن کریم سورۂ بقرہ آیت ۳۱
۸۵ خزائن العرفان
۸۶ تفسیر جلالین ص ۳۶
۸۷ قرآن کریم سورۂ آل عمران آیت ۳۱
۸۸ شرح سلام رضا ص ۶۰
۸۹ مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۳
۹۰ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۷۱۱
۹۱ مکتوبات امام ربانی ج ۲ مکتوب
۹۲ جواہر البحار ص ۲۴۶
۹۳ شرح سلام رضا ص ۶۱
۹۴ جواہر البحار ص ۱۲۲
۹۵ الامن والعلی ص ۹۳
۹۶ شرح سلام رضا ص ۶۴
۹۷ ″ ″ ص ۶۹
۹۸ عرائس البیان ج ۲ ص ۵۳ بحوالہ شرح
۹۹ شرح شفا ملا علی قاری ج ۱ ص ۳۸
۱۰۰ جواہر البحار ص ۲۴۵
۱۰۱ سلام رضا تضمین و تفہیم اور تجزیہ ص ۸۰
۱۰۲ شرح سلام رضا ص ۵۹
۱۰۳ شرح سلام رضا ص ۶۶ تا ۷۱
۱۰۴ ″ ″ ص ۷۱، ۷۲
۱۰۵ ″ ″ ص ۷۲
۱۰۶ سلام رضا تضمین و تفہیم اور تجزیہ ص ۹۰
۱۰۷ ″ ″ ″ ص ۸۲
۱۰۸ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳
۱۰۹ شرح سلام رضا ص ۷۲
۱۱۰ ″ ″ ص ۷۸
۱۱۱ ″ ″ ص ۱۰۶
۱۱۲ ″ ″ ص ۱۰۶
۱۱۳ سلام رضا تضمین و تفہیم اور تجزیہ ص ۸۵
۱۱۴ شرح سلام رضا ص ۱۱۳
۱۱۵ سلام رضا تضمین و تفہیم اور تجزیہ ص ۸۶
۱۱۶ فرہنگ آصفیہ ص ۱۱۶۲
۱۱۷ ″ ″ ص ۱۱۶۲
۱۱۸ حدائق بخشش ص
۱۱۹ ″ ″ ص
۱۲۰ قرآن کریم سورۂ نجم آیت ۱
۱۲۱ قرآن کریم سورۂ بلد آیت ۲
۱۲۲ قرآن کریم سورۂ بقرہ آیت ۱۴۴
۱۲۳ قرآن کریم سورۂ جس آیت ۱
۱۲۴ قرآن کریم سورۂ مدثر آیت ۱

۱۲۵ قرآن کریم سورۂ مزمل آیت ۱

۱۲۶ قرآن کریم سورۂ زخرف آیت ۸۷

۱۲۷ قرآن کریم سورۂ مائدہ آیت ۳

۱۲۸ اخبار الاخیار ص

۱۲۹ شرح سلام رضا ص ۲۱ تا ۲۳

۱۳۰ سلام رضا، تضمین و تفہیم اور تجزیہ ص ۸۶ تا ۸۹

۱۳۱ حاشیہ میبذی ص

۱۳۲ سلام رضا، تضمین و تفہیم اور تجزیہ ص ۹۲، ۹۳

۱۳۳ 〃 〃 〃 ص ۹۹

۱۳۴ 〃 〃 〃 ص ۹۳، ۹۴

۱۳۵ 〃 〃 〃 ص ۱۰۶

۱۳۶ 〃 〃 〃 ص ۱۱۱

۱۳۷ 〃 〃 〃 ص ۱۱۲

۱۳۸ 〃 〃 〃 ص ۱۱۷

۱۳۹ 〃 〃 〃 ص ۱۱۸

۱۴۰ قرآن کریم سورہ نجم آیت ۱۷

۱۴۱ سلام رضا، تضمین و تفہیم اور تجزیہ ص ۲۲۷

۱۴۲ حدائق بخشش ص

۱۴۳ 〃 〃 ص

۱۴۴ گلستان باب اول ص ۱۷

۱۴۵ سلام رضا تضمین و تفہیم اور تجزیہ ص ۱۲۶

۱۴۶ 〃 〃 〃 ص ۱۳۰

۱۴۷ سلام رضا، تضمین و تفہیم اور تجزیہ ص ۱۳۵

۱۴۸ 〃 〃 〃 ص ۱۳

۱۴۹ 〃 〃 〃 ص ۱۳۶

۱۵۰ خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۰

۱۵۱ حدائق بخشش حصہ ص

۱۵۲ خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۰

۱۵۳ سلام رضا، تضمین و تفہیم اور تجزیہ ص ۱۳۶

۱۵۴ 〃 〃 〃 ص ۱۳۷

۱۵۵ 〃 〃 〃 ص ۱۳۷

۱۵۶ فتح القدیر ج ۲ ص ۲۵۳، ۲۵۴

۱۵۷ حدائق بخشش کامل ص

۱۵۸ سلام رضا، تضمین و تفہیم اور تجزیہ ص ۱۳۵

۱۵۹ 〃 〃 〃 ص ۱۳۷

۱۶۰ فتاویٰ رضویہ، ج ۱۲ ص ۱۸۳

۱۶۱ تاج العروس، ج ۳ ص ۲۵۷

۱۶۲ سلام رضا، تضمین و تفہیم اور تجزیہ ص ۱۳۹، ۱۴۰

۱۶۳ کلام رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ

۱۶۴ سلام رضا، تضمین و تفہیم اور تجزیہ ص ۱۴۳

۱۶۵ 〃 〃 〃 ص ۱۴۶ تا ۱۴۷

۱۶۶ مدارج النبوۃ، ج ۲ ص ۳۰

۱۶۷ خصائص کبریٰ، ج ۱ ص ۵۴

۱۶۸ 〃 ، ج ۱ ص ۵۷

نمبر	ماخذ	صفحہ
۱۶۹	سلام رضا، تضمین و تفہیم اور تجزیہ	ص ۱۴۷، ۱۴۸
۱۷۰	″ ″ ″ ″	ص ۱۴۹
۱۷۱	″ ″ ″ ″	ص ۱۴۹
۱۷۲	″ ″ ″ ″	ص ۱۴۹
۱۷۳	″ ″ ″ ″	ص ۱۴۹
۱۷۴	″ ″ ″ ″	ص ۸۷
۱۷۵	″ ″ ″ ″	ص ۸۶
۱۷۶	الامن والعلی	ص ۹۲
۱۷۷	سلام رضا، تضمین و تفہیم اور تجزیہ	ص ۱۵۰
۱۷۸	″ ″ ″ ″	ص ۱۵۱
۱۷۹	″ ″ ″ ″	ص ۱۵۳، ۱۵۴
۱۸۰	″ ″ ″ ″	ص ۱۵۶

نمبر	ماخذ	صفحہ
۱۸۱	سلام رضا، تضمین و تفہیم اور تجزیہ	ص ۱۵۷
۱۸۲	″ ″ ″ ″	ص ۱۵۷
۱۸۳	″ ″ ″	ص ۱۵۵
۱۸۴	تفسیر جمل، ج ۳	ص ۲۱
۱۸۵	سلام رضا، تضمین و تفہیم اور تجزیہ	ص ۱۵۹
۱۸۶	شرح سلام رضا	ص ۵۴۰
۱۸۷	سلام رضا، تضمین و تفہیم اور تجزیہ	ص ۱۶۱ تا ۱۶۴
۱۸۸	فتاوی رضویہ، ج	ص
۱۸۹	سلام رضا، تضمین و تفہیم اور تجزیہ	ص ۱۶۴، ۱۶۵
۱۹۰	″ ″ ″ ″	ص ۱۵۲، ۱۵۳
۱۹۱	شرح سلام رضا	ص ۴۷۳
۱۹۲	سلام رضا، تضمین و تفہیم اور تجزیہ	ص ۱۶۶ تا ۱۶۸
۱۹۳	″ ″ ″	ص ۲۸
۱۹۴	″ ″ ″	ص ۴۲، ۴۳

اِدارہ افکارِ حق بائسی

مطبوعات ۔ خدمات

اُردو مطبوعات

- کرنسی نوٹ کے مسائل ۔ از امام احمد رضا
- دونوں ہاتھ سے مصافحہ 〃
- شہنشاہ کون ؟ 〃
- مزارات پر عورتوں کی حاضری 〃
- ماہِ کامل 〃
- روشنی 〃
- جسمِ بے سایہ 〃
- حقوق العباد کی اہمیت 〃
- صلح کلیت اور دین حنیف 〃

- احکامِ تصویر از امام احمد رضا
- احکامِ وہابیت 〃 〃
- نشانِ حق و باطل 〃 〃
- روپے کمانے کا جائز طریقہ 〃
- امام احمد رضا اور عالمی جامعات ۔ پروفیسر مسعود
- غریبوں کے غم خوار 〃
- تعظیم و توقیر
- علمِ غیب

- آئینہ امام احمد رضا ۔ از غلام جابر شمس
- چہل حدیث 〃 〃
- مسلک مختار 〃 〃
- حیاتِ جاودانی (عبد الحکیم شرف)
- نیکیاں کرو گناہوں سے بچو (عبد المصطفیٰ)
- درسِ توحید علامہ شفیع اوکاڑوی
- طرزِ زندگی آفتاب عالم مصباحی
- شراب اور اسکے نقصانات (عبد المبین نعمانی)

- تذکرہ مجاہد ملت ۔ ابو الکلام احسن القادری ۔ عظمت کنز الایمان ۔ یوسف زئی

ھندی مطبوعات

- شفاعتِ مصطفیٰ ۔ از امام احمد رضا
- عقائدِ علمائے دیوبند ۔ حافظ ملت
- اصلاح العلوم ۔ مفتی رضوان الرحمان

- اجالا ۔ پروفیسر مسعود
- فضائل نماز و تلاوت ۔ شمس مصباحی ایم اے
- فضائلِ روزہ و زکات ۔ حافظ ادریس اشرفی

- نماز کا آسان طریقہ ۔ عرفان احمد
- تمہید ایمان (امام احمد رضا)
- اذانِ قبر 〃 〃

انگلش مطبوعات

- علم معاشیات ۔ از امام احمد رضا
- امام احمد رضا ایک مظلوم عبقری پروفیسر مسعود

- گناہ و بے گناہی ۔ پروفیسر مسعود
- علمِ غیب 〃
- معجزاتِ نبی ڈاکٹر عامر گیلانی

- بنیادی اسلامی تعلیم ۔ عبد العلیم صدیقی
- امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت ۔ کوثر نیازی
- اسلام کی بنیادی تعلیم

اِدارہ افکارِ حق بائسی پورنیہ